فہرست برائے جماعت گیارہویں اردو

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	کثیر الانتخابی سوالات	۱ تا ۲۲
۲۔	اشعار کی تشریحات	۲۳ تا ۶۴
۳۔	اقتباسات کی تشریحات	۶۵ تا ۸۶
۴۔	نظموں کے مرکزی خیال	۸۷ تا ۹۰
۵۔	اسباق کے خلاصے	۹۱ تا ۱۰۰
۶۔	اسباق کے سوال و جوابات	۱۰۱ تا ۱۱۴
۷۔	شعری اصطلاحات	۱۱۵ تا ۱۲۴
۸۔	محاورات اور ان کا جملوں میں استعمال	۱۲۵
۹۔	نثر نگار کی نثر نگاری پر تبصرے	۱۲۶ تا ۱۳۵
۱۰۔	افسانہ نگار کی افسانہ نگاری پر تبصرے	۱۳۶ تا ۱۳۹
۱۱۔	شعراء کی شاعری پر تبصرے	۱۴۰ تا ۱۵۵
۱۲۔	ڈرامہ نگار کی ڈرامہ نگاری پر تبصرے	۱۵۶ تا ۱۶۱

JOIN FOR MORE!!!

کثیر الانتخابی سوالات

قومی اتفاق

درست جواب پر صحیح کا نشان لگائیں۔

i. حبل المتین سے مراد ہے:
☆مذہب ☆یکجہتی ☆رنگ ونسل ☆قومیت

ii. ہمسائے کا ادب ہمارے مذہب کا ہے:
☆جزو ☆نصف ☆کل ☆مرکز

iii. قومی ترقی کا بنیادی سبب ہوتا ہے:
☆مذہب ☆تجارت ☆زراعت ☆اتفاق

iv. سرسید کی نظر میں ہماری قوم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے:
☆مال و دولت نے ☆نااتفاقی نے ☆ذاتی مفاد نے ☆بے حسی نے

v. العروۃ الوثقیٰ سے مراد ہے:
☆اخوت ☆اتحاد ☆تنظیم ☆توحید

vi. شامل نصاب مضمون "قومی اتفاق" کہاں سے ماخوذ ہے؟
☆مقالات سرسید ☆تہذیب الاخلاق ☆قصص الہند ☆مقدمہ شعروشاعری

vii. سرسید نے یہ رسالہ جاری کیا:
☆تہذیب الجہاد ☆قصص الہند ☆تہذیب الاخلاق ☆تعلیم وتربیت

viii. مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی غلط فہمی دور کرنے کیلئے سرسید نے یہ کتاب تحریر کی:
☆تہذیب الاخلاق ☆مقالات سرسید ☆اسباب بغاوت ہند ☆آثار الصنادید

ix. انہیں "اردو کا ایڈیسن" کہا جاتا ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆الطاف حسین حالی ☆محمد حسین آزاد ☆سرسید احمد خان

x. انہیں جدید اردو ادب کا بانی کہا جاتا ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆محمد حسین آزاد ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

xi. ایم۔اے۔او کالج کی بنیاد انہوں نے رکھی۔
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆محمد حسین آزاد ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

xii. اردو کے اس ادیب کو مصلح قوم کہا جاتا ہے۔
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆محمد حسین آزاد ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

xiii. اردو کا مورث اعلیٰ انہیں کہا جاتا ہے۔
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆محمد حسین آزاد ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

JOIN FOR MORE!!!

زبانِ گویا

i. زبان کے ہر پھول کا رنگ ہے:
☆ نرالا ☆ جدا ☆ علیحدہ ☆ مختلف

ii. اے زبان تیری طاقت نمونہ ہے:
☆ اللہ کی طاقت کا ☆ قدرت الٰہی کا ☆ اللہ کی رحمت کا ☆ قدرت آسمانی کا

iii. علم ایک خزانہ ہے:
☆ غیبی ☆ پوشیدہ ☆ چھپا ہوا ☆ دبا ہوا

iv. زبان کا جوہر ہے:
☆ نصیحت ☆ راستی ☆ وعظ ☆ گفتگو

v. ہم جب تک دنیا میں رہیں کہلائیں:
☆ اچھے ☆ سچے ☆ نیک ☆ سیدھے

vi. سبق "زبانِ گویا" ان کی تحریر ہے:
☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ علامہ اقبال ☆ الطاف حسین حالی ☆ سرسید احمد خان

vii. مضمون "زبانِ گویا" اس کتاب سے ماخوذ ہے:
☆ مقالات سرسید ☆ مقالات حالی ☆ مقالات شبلی ☆ کلیات حالی

viii. اردو میں قومی شاعری کی ابتداء انہوں نے کی:
☆ الطاف حسین حالی ☆ سرسید احمد خان ☆ علامہ اقبال ☆ نظیر اکبر آبادی

ix. یادگار غالب، حیات سعدی اور حیات جاوید ان کی تصانیف ہیں:
☆ غالب ☆ شبلی نعمانی ☆ اقبال ☆ حالی

x. انھیں اردو کا پہلا سوانح نگار کہا جاتا ہے:
☆ حسین آزاد ☆ اقبال ☆ شبلی نعمانی ☆ حالی

xi. انھیں اردو کا پہلا تنقید نگار (نقاد) کہا جاتا ہے۔
☆ حسین آزاد ☆ اقبال ☆ شبلی نعمانی ☆ حالی

xii. تنقید نگاری کا آغاز حالی نے اس تصنیف سے کی۔
☆ یادگار غالب ☆ مقدمہ شعر و شاعری ☆ حیات سعدی ☆ حیات جاوید

xiii. سوانح نگاری کا آغاز حالی نے اس تصنیف سے کی،
☆ یادگار غالب ☆ حیات سعدی حیات جاوید ☆ مقدمہ شعر و شاعری

xiv. حیات جاوید کس نامور ادیب کے بارے میں ہے۔
☆ سرسید احمد خان ☆ الطاف حسین حالی ☆ علامہ اقبال ☆ غالب

JOIN FOR MORE!!!

فاقے میں روزہ

i. ہندوستان کا دل کہلاتی ہے:
☆ بادشاہی ☆ دہلی ☆ مسجد ☆ رنگینی

ii. ابوظفر بہادر شاہ کے بھائی تھے:
☆ ندیم ☆ مرزا صاحب ☆ مرزا سلیم بہادر ☆ مرزا شہروز

iii. لہو ولعب کا مطلب ہے:
☆ کھیل کود ☆ فضول خرچ ☆ مزیدار کھانے ☆ شان وشوکت

iv. رنگ متغیر ہونا ہے:
☆ روزمرہ ☆ محاورہ ☆ کہاوت ☆ ضرب المثل

v. انگریزی سرکار نے ماہوار پنشن مقرر کر دی:
☆ چار روپے ☆ پانچ روپے ☆ دس روپے ☆ پندرہ روپے

JOIN FOR MORE!!!

تخلیق کائنات

i. بابل کے قریب تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے:
☆ زینوفون ☆ مارکوپولو ☆ ہیروڈوٹس ☆ واسکوڈی گاما

ii. دنیا کی تیز ترین مشینیں چلتی ہیں:
☆ کوئلے سے ☆ بجلی سے ☆ پیٹرول سے ☆ گیس سے

iii. کیمیاوی نقطہ نگاہ سے پٹرولیم چیز ہے:
☆ سادہ ☆ سخت ☆ بیکار ☆ پیچیدہ

iv. جہاں تیل پایا جاتا ہے وہاں چٹانیں ہوتی ہیں:
☆ بھربھری ☆ پتھریلی ☆ نرم ☆ مسام دار

v. جہاں تیل ہوتا ہے وہاں ضروری نہیں کہ ہوتی ہو:
☆ مٹی ☆ گیس ☆ چاندی ☆ آکسیجن

vi. سبق "تخلیق کائنات" کی تحریر ہے:
☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ آفتاب حسن ☆ الطاف حسین حالی ☆ سرسید احمد خان

vii. "سائنس ہمارے لئے" کی تحریر ہے:
☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ آفتاب حسن ☆ الطاف حسین حالی ☆ سرسید احمد خان

کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

i. ہماری علمی زبان تھی:
☆فارسی وعربی ☆عربی واردو ☆اردو وفارسی ☆اردو عربی فارسی

ii. قومی ترقی کے لیے ضروری ہوتی ہے:
☆عوام کی ترقی ☆قومی زبان کی ترقی ☆ علمی وادبی ترقی ☆سرمایہ داروں کی ترقی

iii. خیالات اور افکار کے اظہار کا ذریعہ ہے:
☆زبان ☆ علم ☆تعلیم وتدریس ☆سائنس

iv. اردو نے پروں سے پرواز کی:
☆فارسی کے ☆عربی کے ☆ہندی کے ☆ انگریزی کے

v. اردو اور فارسی میں ہے:
☆محبت ☆ یگانگت ☆اجنبیت ☆ یک جہتی

vi. " کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں" مصنف کا نام ہے:
☆پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ☆ آفتاب حسن ☆خواجہ حسن نظامی ☆مولانا الطاف حسین حالی

JOIN FOR MORE!!!

سندھی شاعری کے تراجم

i. مترجم کو عبور ہونا چاہیے:
☆زبان پر ☆عصری تقاضوں پر ☆حالات پر ☆نظریہ پر

ii. شاہ کے مکمل رسالہ کا ترجمہ اردو نظم میں کیا ہے:
☆شیخ ایاز نے ☆رشید احمد لاشاری نے ☆ڈاکٹر نجم الاسلام نے ☆ فہمیدہ ریاض نے

iii. جرمن ترجمہ کا ذکر ہے:
☆لیلیٰ قاضی کا ☆ابن مری شمل کا ☆جی الانا کا ☆ اکرم انصاری کا

iv. معیاری ترجمہ کرنے کے لئے واقفیت ضروری ہے:
☆زبان اور ادبیات سے ☆زبانی اور فنی روایات سے ☆ادبی فکر اور فلسفے سے ☆ادبی ذوق اور مطالعے سے

v. شاہ محمد زمان لواری کے ابیات کا اردو ترجمہ کیا ہے:
☆نیاز ہمایونی نے ☆ ابن انشاء نے ☆ڈاکٹر نجم الاسلام نے ☆حفیظ ہوشیار پوری

vi. اردو زبان میں شاہ کے کلام کے ترجمے کتنے سال سے کیے جا رہے ہیں:
☆32 سال ☆33 سال ☆35 سال ☆36 سال

زیورکاڈبہ

i. چندر پرکاش کو رہنے کے لیے مکان دیا۔
☆خان صاحب نے ☆ ٹھاکر صاحب نے ☆شیخ صاحب نے ☆ مرزا صاحب نے

ii. ٹھاکر صاحب کے بیٹے کا نام تھا:
☆کرشن ☆ویرآندر ☆ویراد ☆درشن

iii. زیورات کی مالیت تھی:
☆چار ہزار روپے ☆ پانچ ہزار روپے ☆چھ ہزار روپے ☆ سات ہزار روپے

iv. پرکاش سے بینک والے ضمانت مانگ رہے تھے:
☆پانچ ہزار کی ☆دس ہزار کی ☆ بیس ہزار کی ☆ تیس ہزار کی

v. زبان پکڑنا ہے:
☆مثال ☆ تشبیہ ☆ روزمرہ ☆محاورہ

vi. سبق "زیورکاڈبہ "ان کی تحریر ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆منشی پریم چند ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

vii. مضمون "زبانِ گویا" اس کتاب سے ماخوذ ہے:
☆مقالات سرسید ☆مقالات حالی ☆مقالات شبلی ☆پریم چند کے نمائندہ افسانے

JOIN FOR MORE!!!

بابانور

i. بابانور دس سال سے جاتا تھا:
☆اسٹیشن ☆ڈاک خانے ☆اسکول ☆بازار

ii. سفید کھدر کا رومال تھا بابانور کے:
☆سر پر ☆گھر پر ☆کندھے پر ☆ناک پر

iii. لڑکی گندم کے کھیت میں کاٹ رہی تھی:
☆سبزی ☆چارا ☆لکڑیاں ☆گھاس

iv. لڑکی نے بابانور کے لیے کٹورا بھرا:
☆لسی کا ☆پانی کا ☆شربت کا ☆دودھ کا

v. بابانور احمد ندیم قاسمی کا تحریر کردہ ہے:
☆ناول ☆ ناولٹ ☆ افسانہ ☆رپورتاژ

vi. سبق "زیورکاڈبہ "ان کی تحریر ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆منشی پریم چند ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

vii. انہوں نے بچوں کو ہنسنے سے منع کیا:
☆مولوی برکت اللہ ☆مولوی کفایت اللہ ☆مولوی نصرت اللہ ☆ مولوی قدرت اللہ

viii. بابانور کے سبق میں کھیتوں میں کام کرنے والی لڑکی کا نام تھا:
☆نفیسہ ☆نسیمہ ☆نعیمہ ☆نصیبہ

آب حیات

i. انسان کے ہاتھ میں ہے:
☆تدبیر ☆تقدیر ☆تقریر ☆تعبیر

ii. آب حیات پینے سے مل جاتی ہے:
☆ابدی بادشاہت ☆ابدی حیات ☆ابدی عزت ☆ابدی دولت

iii. شہزادے مہران کے نام سے منسوب کیا گیا:
☆سکہ ☆مینار ☆محل ☆دریا

iv. شہزادے نے ہمیشہ کی زندگی پائی:
☆آب حیات پی کر ☆حکومت کر کے ☆لوگوں کی خدمت کر کے ☆جنگ کر کے

v. انسان کی روح کا آئینہ ہوتی ہے:
☆آنکھ ☆زبان ☆سوچ ☆ہمدردی

vi. سبق "آب حیات" ان کی تحریر ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆غلام ربانی آگرو ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

vii. مضمون "آب حیات" اس کتاب سے ماخوذ ہے:
☆مقالات سرسید ☆مقالات غلام ربانی آگرو ☆مقالات شبلی ☆آب حیات

JOIN FOR MORE!!!

میدان جنگ

i. رستم سہراب کا تھا:
☆چچا ☆باپ ☆ماموں ☆دادا

ii. سہراب رستم سے بار بار پوچھ رہا تھا:
☆اس کا گاؤں ☆اس کا قبیلہ ☆اس کا نام ☆اس کی ذات

iii. رستم نے اللہ سے دعا میں اپنے لئے مانگا تھا:
☆غلبہ ☆مال غنیمت ☆جوانی کا زور ☆جیون

iv. رستم وسہراب کا تعلق ہے:
☆ایران سے ☆ہندوستان سے ☆عرب سے ☆افغانستان سے

v. ہر نیا دن انسان کے لئے لے کر آتا ہے:
☆نئی امید ☆نئے لوگ ☆نیا موقع ☆نیا انقلاب

vi. سبق "میدان جنگ" ان کی تحریر ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆آغا حشر کاشمیری ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

vii. مضمون "میدان جنگ" اس کتاب سے ماخوذ ہے:
☆مقالات رستم وسہراب ☆مقالات آغا حشر کاشمیری ☆مقالات شبلی ☆رستم وسہراب

viii. سہراب کی ماں کا نام تھا:
☆سکینہ ☆ثمینہ ☆روبینہ ☆تہمینہ

بیگم کی بلی

i. میاں کو گھر کے لیے ضرورت تھی:
☆ڈرائیور کی ☆باورچی کی ☆مالی کی ☆چوکیدار کی

ii. میاں نے بلی کو بند کر دیا تھا:
☆کمرے میں ☆ باورچی خانے میں ☆ کوئلوں کی کوٹھری میں ☆غسل خانے میں

iii. میاں نے بلی کو ٹھکانے لگانے کے لئے انعام مقرر کیا تھا:
☆اٹھنی ☆ایک روپیہ ☆دو روپے ☆تین روپے

iv. میاں نے بیگم کو خریداری کے لیے دیے:
☆پانچ روپے ☆دس روپے ☆ پندرہ روپے ☆ بیس روپے

v. بلی تو ہو رہی تھی:
☆لال سرخ ☆کالی سیاہ ☆نیلی پیلی ☆لال گلابی

vi. سبق "بیگم کی بلی" ان کی تحریر ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆امتیاز علی تاج ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

vii. مضمون "بیگم کی بلی" اس کتاب سے ماخوذ ہے:
☆رستم و سہراب کے یک بابی ڈرامے
☆مقالات امتیاز علی تاج
☆سید امتیاز علی تاج کے ایک بابی ڈرامے
☆مقالات شبلی

viii. سبق بیگم کی بلی میں کتنے کردار ہیں:
☆5 ☆ ☆6 ☆7 ☆8

JOIN FOR MORE!!!

تھر کی نادیہ کمانچی

i. کارونجھر پہاڑی سلسلہ واقع ہے:
☆ننگر پارکر ☆تھر پارکر ☆سکھر ☆آسٹریلیا

ii. مستنصر حسین تارڑ سفرنامے میں عالمی شہرت یافتہ لڑکی کا تذکرہ ہے:
☆ہادیہ کمانچی ☆نادیہ کمانچی ☆سعدیہ کمانچی ☆ نازیہ کمانچی

iii. ننگے پاؤں بھاگنے والا بکیلا کا تعلق اس ملک سے تھا:
☆رومانیہ ☆ایتھوپیا ☆ننگر پارکر ☆آسٹریلیا

iv. مستنصر حسین تارڑ سفرنامے میں عالمی شہرت یافتہ لڑکی کا تعلق اس ملک سے تھا:
☆رومانیہ ☆ایتھوپیا ☆ننگر پارکر ☆آسٹریلیا

v. تھر کی نادیہ بلند ترین پہاڑی پر موجود جھنڈے کو ہاتھ لگا کر واپس پہنچی:
☆2منٹ میں ☆3منٹ میں ☆4منٹ میں ☆5منٹ میں

vi. سبق "تھر کی نادیہ کمانچی" ان کی تحریر ہے:
☆ڈپٹی نذیر احمد ☆مستنصر حسین تارڑ ☆الطاف حسین حالی ☆سرسید احمد خان

vii. مضمون "تھر کی نادیہ کمانچی" اس کتاب سے ماخوذ ہے:
☆سہراب کا سفر سندھ ☆مقالات مستنصر حسین تارڑ ☆مقالات سفر سندھ کے ☆سفر سندھ کے۔اور سندھ بہتا رہا

ملکہ بلقیس کا محل

i. حضرت سلیمان علیہ السلام کو غلط اطلاعات فراہم کیں:
☆ ہدہد نے ☆ جن نے ☆ عقاب نے ☆ طوطے نے

ii. ہدہد کو زمین سے تلاش کرنے کی صلاحیت حاصل تھی:
☆ پانی ☆ سونا ☆ ہیرے ☆ آب دار موتی

iii. حضرت سلیمان علیہ السلام نے پر کاٹنے کا حکم دیا:
☆ عقاب کے ☆ طوطے کے ☆ ہدہد کے ☆ گھوڑے کے

iv. حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرش بنوایا:
☆ شیشے کا ☆ قالین کا ☆ سونے کا ☆ پانی کا

v. جن سمندر سے نکال لایا:
☆ گھوڑوں کو ☆ مرغابیوں کو ☆ مچھلیوں کو ☆ پرندوں کو

vi. سبق "ملکہ بلقیس کا محل" ان کی تحریر ہے:
☆ ڈپٹی نذیر احمد ☆ مستنصر حسین تارڑ ☆ قمر علی عباسی ☆ سر سید احمد خان

vii. مضمون "ملکہ بلقیس کا محل" اس کتاب سے ماخوذ ہے:
☆ قمر علی عباسی کا سفر سندھ ☆ مقالات قمر علی عباسی ☆ عثمان کے مہمان ☆ سفر سندھ کے۔ اور سندھ بہتا رہا

JOIN FOR MORE!!!

خوامخواہ کی لڑائی

i. لڑائی ہمیشہ شروع ہوتی ہے:
☆ لپاڈکی سے ☆ خواہ مخواہ سے ☆ تو تکار سے ☆ مار پیٹ سے

ii. آپے سے باہر ہونا ہے:
☆ ضرب المثل ☆ روزمرہ ☆ محاورہ ☆ تشبیہ

iii. طنز کا مقصد ہونا چاہئے:
☆ لڑائی ☆ تکرار ☆ اصلاح ☆ ایذا رسانی

iv. خون کے گھونٹ پی کر رہ جانا:
☆ محاورہ ہے ☆ روزمرہ ہے ☆ ضرب المثل ہے ☆ تلمیح ہے

v. وہم و گمان ہے:
☆ مرکز توصیفی ☆ مرکب اضافی ☆ مرکب عطفی ☆ مرکب اشاری

vi. "خوامخواہ" کی لڑائی کے مصنف کا نام ہے۔
☆ سر سید احمد خان ☆ پطرس بخاری ☆ شوکت تھانوی ☆ ابن انشاء

مجبوریاں

i) اونٹ میں نہیں ہوتے:

☆پاؤں ☆ منہ ☆ دم ☆گیئر

ii) بچوں کو تعلیم دینے کے واسطے استاد لے کر آیا:

☆کبوتر ☆خرگوش ☆طوطے ☆ بھیڑیں

iii) اگر ایک دن میں ایک کمرہ دس آدمی بنا سکتے ہیں تو وہی کمرہ ایک گھنٹے میں بنا سکتے ہیں:

☆240 آدمی ☆120 آدمی ☆80آدمی ☆60آدمی

iv) کمشنر نے لکھ دیا:

☆خط ☆مضمون ☆سرٹیفکیٹ ☆کالم

v) کتب فروش کو خط لکھا تھا:

☆ریاضی کے پروفیسر نے ☆ افسانے نگار نے ☆ مصنف نے ☆ فلاسفر نے

JOIN FOR MORE!!!

ایک انار وصد بیمار

i) ایک انار وصد بیمار میں حالات بیان کیے گئے ہیں:

☆معاشرتی ☆ طبی ☆انتظامی ☆اخلاقی

ii) ایک انار وصد بیمار ہے:

☆افسانہ ☆ ناول ☆ڈرامہ ☆مزاحیہ مضمون

iii) ایک انار وصد بیمار میں طنز کیا گیا ہے:

☆ڈاکٹروں پر ☆حکیموں پر ☆عاملوں پر ☆اتائیوں پر

iv) مصنف کی ڈائری بھری ہوئی تھی:

☆کالموں سے ☆اشتہاروں سے ☆ٹوٹکوں سے ☆اشعار سے

v) ایک انار وصد بیمار قواعد کی رو سے ہے:

☆لفظ ☆فقرہ ☆محاورہ ☆کہاوت

vi) ایک انار صد بیمار کے مصنف کا نام ہے۔

☆سرسید احمد خان ☆پطرس بخاری ☆شوکت تھانوی ☆ابن انشاء

خط غالب بہ نام میر مہدی مجروح

i) مجتہد العصر کے مسودے کو بھیج دیا:
☆ لکھ کر ☆ اصلاح دے کر ☆ پڑھ کر ☆ سن کر

ii) تم میرے ہم عمر نہیں جو لکھوں:
☆ سلام ☆ دعا ☆ خط ☆ قصیدہ

iii) سعادت مندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح بھیجتے رہو:
☆ سلام ☆ دعا ☆ خط ☆ دوا

iv) بار بار دیکھا کرو:
☆ مسودے کو ☆ خط کو ☆ تقریر کو ☆ تحریر کو

v) قصور معاف کرو:
☆ خفا نہ ہو ☆ خوش نہ ہو ☆ مسرور نہ ہو ☆ بیزار نہ ہو

خطِ اقبال خان محمد نیاز الدین کے نام

i) مولوی گرامی صاحب بھی آلام افکار کے سلسلے میں ہیں:
☆ آزاد ☆ گرفتار ☆ پابند ☆ گھرے ہوئے

ii) آم مریض کے لیے اچھا ہے:
☆ درد دل کے ☆ درد گردہ کے ☆ درد سر کے ☆ درد جگر کے

iii) گزشتہ سال مجھے لنگڑا آم لے بھیجا تھا:
☆ مولانا اکبر نے ☆ مولانا ظفر نے ☆ مولانا حسرت نے ☆ مولانا اصغر نے

iv) رموز بے خودی ہے:
☆ مثنوی ☆ قصیدہ ☆ غزل ☆ مخمس

v) اس صورت میں اس سے پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا:
☆ ملتِ اسلامیہ کا فلسفہ ☆ ملتِ اسلامیہ کا نظریہ ☆ ملتِ اسلامیہ کا جغرافیہ ☆ ملتِ اسلامیہ کا عقیدہ

vi) نصاب میں شامل خط علامہ اقبال نے اس شعر کے نام لکھا۔
☆ محمد نیاز الدین ☆ مرزا غالب ☆ میر سرفراز ☆ صدیق جاوید

vii) اقبال نے اپنے خط میں اپنی اس تصنیف کا ذکر کیا۔
☆ اسرار بے خودی ☆ نالۂ یتیم ☆ رموز بے خودی ☆ ارمغان حجاز

JOIN FOR MORE!!!

خطِ مشفق خواجہ بہ نام صدیق جاوید

i) مسعود احمد کی لائبریری دیکھی:
☆1995 میں ☆1996 میں ☆1997 میں ☆1997 میں

ii) ہاشمی صاحب نے فون کیا:
☆فروری میں ☆ مارچ میں ☆اپریل میں ☆مئی میں

iii) جھنڈیر نام ہے:
☆ جگہ کا ☆ ملک کا ☆ ذات کا ☆ قبیلے کا

iv) دارالمصنفین ہے
☆اعظم گڑھ میں ☆ وہاڑی میں ☆بہاولپور میں ☆ملتان میں

v) لائبریری میں مخطوطات موجود تھے:
5 ہزار ☆6 ہزار ☆7 ہزار ☆8 ہزار

JOIN FOR MORE!!!

حصہ منظومات

حمد

i) گلبانگِ ہزار سے شاعر کی مراد ہے:
☆ہزاروں نغمے ☆ بلبل کا نغمہ ☆مسجد کی اذانیں ☆کتابیں ماہر القادری

ii) آیات الٰہی کہا ہے:
☆حمد کو ☆خالق کو پکارنے کو ☆ قدرتی مناظر کو ☆قرآن پاک کی آیات کو

iii) شعر میں "نکہت ہو کہ رنگ" سے مراد ہے:
☆دھنک ☆ طرح طرح کے مناظر ☆مختلف پھول ☆مختلف موسم

iv) گرمی سردی سایہ اور دھوپ علامت ہیں:
☆بہار کی ☆خزاں کی ☆برسات کی ☆موسموں کی

v) وجدان سے شاعر کی مراد ہے:
☆آگہی و شعور ☆عقل و دانش ☆فہم و فراست ☆ہمت و استقامت

vi) نصاب میں شامل "حمد" کے شاعر کا نام ہے۔
☆علامہ اقبال ☆ماہر القادری ☆الطاف حسین حالی ☆اقبال عظیم

نعت

i) اس نعت میں "جلوہ گاہوں کا ایک سلسلہ ہے" سے مراد ہے:
☆ مکہ مکرمہ ☆ مدینہ منورہ ☆ سدرۃ المنتہیٰ ☆ عرش عظیم

ii) یہ نعت شاعری کی اس ہیت میں لکھی گئی ہے:
☆ مخمس ☆ مسدس ☆ رباعی ☆ غزل

iii) شاعر نے دعا میں اللہ تبارک وتعالی سے دعا مانگی ہے:
☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گلی کی ☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ کی
☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بستی کی ☆ ہوا کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے در کی

iv) شاعر نے اپنا پتہ بتایا ہے:
☆ بابِ فہد ☆ بابِ جبرائیل ☆ بابِ عزیز ☆ بابِ رحمت

v) طیبہ نام ہے:
☆ مکہ مکرمہ کا ☆ جدہ کا ☆ مدینہ منورہ کا ☆ ریاض کا

JOIN FOR MORE!!!

رہے نام اللہ کا

i) لفظ صاحب مقدود کے معنی ہیں:
حیثیت والا ☆ قدرت والا ☆ تقدیر والا ☆ مقدر والا

ii) اس نظم کے پہلے بند کے ردیف ہیں:
☆ عام ☆ رہے گا ☆ نہ رہے ☆ نام اللہ کا

iii) اس جوڑے میں صنعت تضاد پائی جاتی ہیں:
☆ زردار بے زر ☆ چاند سورج ☆ پھل پھول ☆ لوح قلم

iv) لفظ ازرق کا درست تلفظ ہے:
☆ اَزرِق ☆ اَزرَق ☆ اِزرَق ☆ اِزرِق

v) اس نظم میں لفظ دام کے معنی ہیں:
☆ قیمت ☆ بھوکا ☆ ہمیشہ ☆ جال

vi) "رہے نام اللہ کا" کے شاعر کا نام ہے۔
☆ نظیر اکبر آبادی ☆ اکبر الہ آبادی ☆ جوش ملیح آبادی ☆ جگر آبادی

داستان تیاری میں باغ کی (مثنوی)

i) دیاشہ نے اک خانہ باغ ۔۔۔۔۔۔رشک سے جس کے لالے کو داغ اس شعر میں یہ صنعت ہے۔

☆مبالغہ ☆ تکرار ☆تلمیح ☆حسن تعلیل

ii) نظم داستان تیاری میں باغ کی ہیئت کے لحاظ سے ہے۔

☆مسدس ☆رباعی ☆مثنوی ☆مخمس

iii) شعر یہ چار سو آئے جو لگا ۔۔۔۔۔۔گیا چوگنا لطف اس میں سما۔ میں صنعت ہے۔

☆تضاد ☆مبالغہ ☆تکرار ☆تلمیح

iv) لفظ "لخلخے" کے معنی ہیں س۔

☆تارے ☆اگربتی ☆الاؤ ☆ایک خوشبودار گھاس

v) نرگس ،یاسمین، موگرا اور جعفری ہیں:

☆زیور کے نام ☆کپڑے کے نام ☆درخت کا نام ☆پھولوں کے نام

JOIN FOR MORE!!!

چپ کی داد

i) لفظ مہر و وفا میں مہر سے مراد ہے:

☆بیوی کا مہر ☆سورج ☆عنایت ☆خاتون کا نام

ii) اے ماؤ بہنو بیٹیو میں یہ رمز وقف استعمال ہوئی ہے:

☆سکتہ ☆ختمہ ☆ندائیہ ☆استفہامیہ

iii) نظم میں حلاوت اس معنی میں استعمال ہوتا ہے:

☆شہد ☆مٹھائی ☆مٹھاس ☆شربت

iv) عسرت میں عشرت سے مراد ہے:

☆خوشحالی میں عیش و عشرت ☆مہنگائی میں گزارا کرنا ☆ویرانی میں رونق ☆غریبی میں خوش رہنا

v) اس نظم کی ہیئت ہے:

☆غزل ☆مثنوی ☆مخمس ☆مسدس

vi) "چپ کی داد" کے شاعر کا نام ہے۔

☆حالی ☆اقبال ☆نظیر ☆انیس

مردِ مسلمان

i) 'بندہ خاکی" سے اقبال کی مراد ہے:

☆خاک کا پتلا ☆خاک آلودہ انسان ☆کمزور انسان ☆خدا کا فرمانبردار انسان

ii) اقبال نے مومن کو اللہ کی "برہان" کہا ہے:

☆شرعی لباس کی وجہ سے ☆تلاوت قرآن پاک کی وجہ سے ☆حج وعمرہ کی وجہ سے ☆قول وفعل کی خوبیوں کی وجہ سے

iii) بنتے ہیں مری کارگہ فکر میں انجم میں کارگہ سے مراد ہے:

☆انسان ☆عالم ☆مقدر ☆شاعری

iv) اس نظم میں ان دو شہروں کا ذکر کیا گیا ہے:

☆تاشقند اور سمرقند ☆بخارا بدخشاں ☆اصفہان ومشہد ☆شیراز ورقم

JOIN FOR MORE!!!

نوائے سروش

i) "گھاٹ پر اترنا" کے معنی ہیں:

☆گھاٹا ہو جانا ☆دھوبی گاٹ پر آنا ☆ساحل پر پہنچنا ☆ہوائی جہاز کا گھاس پر اترنا

ii) اوصاف بلند خوانی میں وصف بھی شامل ہے:

☆تیز رفتاری ☆صحت تلفظ ☆ترنم ☆دھیمی آواز

iii) لفظ علَم کی جمع ہے:

☆عُلوم ☆اَعلام ☆اعلم ☆علماء

iv) تیز گام سے شاعر کی مراد ہے:

☆تیز ذہن والے ☆تیز زبان والے ☆تیز قدم والے ☆تیز سوچ والا

v) "بہ جا بہ جا کہ اندھیرا ہے شاہ راہوں میں" اس مصرعے میں مناسب رمز وقف آئے گی:

☆وقفہ ☆ندائیہ ☆سوالیہ ☆ختمہ

vi) نظم "نوائے شورش" کے شاعر ہیں۔

☆میر انیس ☆علامہ اقبال ☆الطاف حسین حالی ☆احسان دانش

vii) شاعر مزدور اس شاعر کو کہا جاتا ہے۔

☆میر انیس ☆علامہ اقبال ☆الطاف حسین حالی ☆احسان دانش

رباعیات

i) انیسؔ کی رباعی میں "یک رنگ" سے مراد ہے:
☆ایک رنگ والے ☆محفل والے ☆خلوص والے ☆مطلبی

ii) لفظ "مسبب" کا درست تلفظ ہے:
☆مُسَبَّب ☆مَسَبَّب ☆مِسَبَّب ☆مُسَبَّب

iii) جوشؔ کی رباعی میں "عرفان حیات" کا مطلب ہے:
☆زندگی کی حقیقت کو سمجھنا ☆ زندگی کی مشکلات کو سمجھنا ☆ زندگی کی مسائل کو حل کرنا ☆ایک شخص کا نام

iv) میر انیس کی رباعی ہمیں تعلیم دیتی ہے:
☆اپنی مرضی چلانا چاہیے ☆زندگی کی خوبیاں دیکھنی چاہیئے
☆برداشت سے کام لینا چاہیے ☆بے شعور لوگوں سے تعریف سننا چاہیے

v) صادقؔ دہلوی کی رباعی ہمیں تعلیم دیتی ہے:
☆گلستان کی ☆حب وطن کی ☆باغ کا گوشہ بننے کی ☆گھر کو یاد رکھنے کی

JOIN FOR MORE!!!

قطعات

i) قطعے میں اشعار ہوتے ہیں:
☆چار ☆آٹھ ☆آٹھ سے زیادہ ☆کوئی قید نہیں

ii) ہیئت کے لحاظ سے قطعے میں لازمی ہے:
☆تخلص ☆ قافیہ ☆ردیف ☆عنوان

iii) "مہ وپروین" سے مراد ہے:
☆چاند اور سورج ☆ چاند اور تارے ☆دو خواتین کے نام ☆قطب ستارہ

iv) اقبال نے اس نظم میں مسلمانوں کو تعلیم دی ہے:
☆علم حاصل کرنے کی ☆تجارت کرنے کی ☆ دنیا ترک کر دینے کی ☆غلامی ترک دینے کی

v) رئیس امروہوی کے قطعے میں لفظ مہک سے مراد ہے:
☆خوشبو ☆ بو ☆عطر ☆آثار

سائیڈ افیکٹس

i) لفظ تبخیر سے مراد ہے:

☆بخار آجانا ☆ بخارات بن کے اڑ جانا ☆ پیاس لگنا ☆معدے میں ریاح (گیس) کا پیدا ہونا

ii) ''زوداثر" کا مطلب ہے:

☆زوردار ☆رنگ بدلنے والی ☆ بے اثر ☆ فوری اثر کرنے والی

iii) "یرقان" کہتے ہیں:

☆بخار کو ☆ فالج کو ☆ حافظے کی خرابی کو ☆ پیلیا یعنی جگر کی بیماری کو

iv) "معمولی سا نسیان بھی ہوسکتا ہے اس سے "اس میں نسیان ہے:

☆ نقصان ☆ بھولنے کا مرض ☆نسوں کی خرابی ☆ چکر آنا

v) "دیدہ کوئی حیران "میں دیدہ سے مراد ہے:

☆کان ☆گردہ ☆آنکھ ☆ہاتھ

JOIN FOR MORE!!!

چاند میری زمین

i) چاند میری زمین پھول میرا وطن

☆ میرے دہقاں پسینوں کے ڈھالے ہوئے سے مراد ہے ☆ دہقانوں کے پاس ڈھال ہے دہقان ڈھالیں تیار کرتے ہیں

☆ دہقان شدید محنتی ہے ☆ دہقانوں کا پسینہ بہہ رہا ہے

ii) میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا سے مراد ہے:

☆ میرے شہروں میں قرآن شریف موجود ہے ☆ قرآن پاک شہروں میں شائع کئے جاتے ہیں

☆ قرآن پاک شہروں میں پڑھا جاتا ہے ☆ میرے وطن پر قرآن پاک کی برکات ہیں

iii) میرے فوجی جوان جراتوں کے نشان سے مراد ہے:

☆ میرے فوجی جوان جرات کی علامت ہیں ☆ میرے فوجی جواں ہمت سے نشانے پر مارتے ہیں

☆ میرے وطن کے سپاہی ٹھیک ٹھیک نشانے پر مارتے ہیں ☆ میرے وطن کے سپاہیوں کو جراتوں کا نشان ملتا ہے

iv) "میری مٹی کو سونا بناتے رہیں" سے مراد ہے:

☆ میرے وطن کے مزدور بلوچستان میں سونے کے ذخیرے دریافت کرتے رہیں

☆ میرے وطن کے کسان زمین پر فصل اگا کر ملک کو مالا مال کرتے رہے

☆ میرے وطن کے کمہار مٹی کے بہترین برتن بنا کر سونا کمارتے رہے ☆ میرے وطن کی مٹی کو صاف کر کے سنا سونا نکالتے رہے

v) لفظ "خیبر شکن" میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ میرا ہر سپاہی:

☆ اسلام کے مخالفین کو شکست دینے والا ہے ☆ اپنے ملک کو مخالفوں سے پاک کر دینے والا ہے

☆ حضرت علیؓ کے نقش قدم پر چلنے والا ہے ☆ خیبر شکن توپ چلاتا ہے

حصہ غزلیات

خواجہ میر درد

i) لفظ لوح وقلم سے مراد ہے:
☆ بچوں کی تختی اور قلم ☆ رسالہ لوح وقلم ☆ لوہے کی پلیٹ اور پین
☆ اللہ تعالی نے جس مقام پر انسانوں کی قسمتیں لکھی ہیں اور جن چیزوں پر لکھی ہیں

ii) شیخ و برہمن سے مراد ہے:
☆ دو ذاتیں ☆ دو اشخاص ☆ امیر غریب ☆ مسلم غیر مسلم

iii) غزل میں مسند عزت کا مفہوم ہے:
☆ عزت والی کرسی ☆ عہدہ ☆ اعلیٰ درجہ ☆ عرش الٰہی

iv) لفظ "قاصد" کا مطلب ہے:
☆ ارادہ کرنے والا ☆ درمیانہ زندگی گزارنے والا ☆ پیغام لے جانے والا ☆ ڈاکیا

v) اس غزل میں "آنکھ کھلی تھی" سے مراد ہے:
☆ بیدار ہونا ☆ ہوش میں آنا ☆ مختصر سی زندگی ہونا ☆ بلبلے کی مانند آنکھ کی بناوٹ کا ہونا

vi) اردو غزل کا پہلا "صوفی شاعر" انھیں کہا جاتا ہے:
☆ علامہ اقبال ☆ میر تقی میر ☆ حسرت موہانی ☆ میر درد

vii) خواجہ میر درد کا تعلق ہندوستان کے اس شہر سے تھا:
☆ دہلی ☆ لکھنؤ ☆ دکن ☆ حیدر آباد

viii) اردو شاعری میں تصوف کا امام انھیں کہا جاتا ہے:
☆ میر تقی میر ☆ میر درد ☆ حسرت موہانی ☆ اسد اللہ غالب

ix) میر درد کے والد کا نام تھا:
☆ رفیع سودا ☆ حسرت موہانی ☆ میر تقی میر ☆ ناصر عندلیب

x) صوفیانہ شاعری میں باوا آدم انہیں کہا جاتا ہے،
☆ میر تقی میر ☆ میر درد ☆ حسرت موہانی ☆ اسد اللہ غالب

xi) تصوف کو سب سے پہلے اردو شاعری میں لانے والے ہیں۔
☆ میر تقی میر ☆ میر درد ☆ حسرت موہانی ☆ اسد اللہ غالب

xii) شاعری میں حقیقت اور مجاز کا امتزاج ملتا ہے۔
☆ میر تقی میر ☆ میر درد ☆ حسرت موہانی ☆ اسد اللہ غالب

JOIN FOR MORE!!!

میر تقی میرؔ

i) اردو شعراء میں سے انھیں خدائے سخن کہا جاتا ہے:
☆میر تقی میر ☆میر درد ☆علامہ اقبال ☆اسد اللہ غالب

ii) سرتاج الشعراء ان کا لقب ہے:
☆میر درد ☆علامہ اقبال ☆میر تقی میر ☆اسد اللہ غالب

iii) کس شاعر کے بہتر اشعار کو بہتر نشتر سے تعبیر کیا جاتا ہے؟
☆فیض احمد فیض ☆میر درد ☆علامہ اقبال ☆میر تقی میر

iv) شہنشاہ غزل انھیں کہا جاتا ہے:
☆میر تقی میر ☆میر درد ☆علامہ اقبال ☆اسد اللہ غالب

v) شاعرِ غم کے لقب سے انھیں یاد کیا جاتا ہے:
☆میر درد ☆علامہ اقبال ☆میر تقی میر ☆اسد اللہ غالب

vi) میر تقی میر کا اصل نام تھا:
☆میر محمد مہدی ☆میر محمد علی ☆میر محمد متقی ☆میر محمد تقی

vii) "شکستوں" سے مراد ہے:
☆ہارنا ☆ٹوٹ پھوٹ ☆ناامیدیاں ☆ٹھوکریں

viii) "فکرِ پریشاں" کا مطلب ہے:
☆بے چین نظر ☆متلاشی نظر ☆پریشان فکر ☆بے چین خیال

ix) "پہنچا جو آپ کو" اس محاورے کے معنی ہیں:
☆آپ کے پاس پہنچ گیا ☆اپنے آپ کو پہچان گیا ☆آپ کے پاس بھیجا گیا ☆آپ کے پاس جیسے ہی پہنچا

x) "رشکِ حور" کا مفہوم ہے:
☆حور کے لئے باعث رشک ☆حور پر رشک کرنے والا ☆حور جس پر فدا ہو ☆حور جس پر رشک کرے

xi) لفظ "استخوان" کا مطلب ہے:
☆دسترخوان ☆آہنی ٹوپی ☆خوان چہ ☆ڈھانچہ

JOIN FOR MORE!!!

خواجہ حیدر علی آتش

i) لفظ "مہمیز" کے معنی ہیں:
☆ بڑی میز ☆ مہمانوں کا کمرہ ☆ جس لفظ میں ہمزہ ہو ☆ گھوڑے کی رکاب

ii) "خانہ صیاد" کہتے ہیں:
☆ شکاری کے گھر کو ☆ قید خانے کو ☆ دھوکے باز کو ☆ تباہی کا گھر

iii) "طبل وعلم پاس ہونے" سے مراد ہے:
☆ جنگ کے لیے تیار ہونا ☆ صاحب اقتدار ہونا ☆ طاقت ور ہونا ☆ ہتھیار موجود ہونا

iv) آتش کی پہلی غزل کی ردیف ہے:
☆ فسانہ ☆ کیا ☆ غائبانہ ☆ سُن

v) دوسری غزل کی ردیف ہے:
☆ کیا معلوم ☆ خدا معلوم ☆ نہیں معلوم ☆ نامعلوم

مرزا اسداللہ خان غالبؔ

i) سنگ وخشت کے معنی ہیں:
☆ ساتھ ساتھ ☆ اینٹ پتھر ☆ سینگ ☆ دیوانہ

ii) لفظ دیر معنی ہیں:
☆ تاخیر ☆ شمالی علاقے کا شہر ☆ غیر اسلامی عبادت گاہ ☆ گھر

iii) مہر نیم روز کا مطلب ہے:
☆ آدھے دن کا روزہ ☆ آدھی مہربانی ☆ بیوی کی آدھی مہر ☆ ٹھیک آدھے دن کا سورج

iv) غالب کی غزل میں لفظ خستہ سے مراد ہے:
☆ کرارا ☆ ٹوٹا ہوا ☆ زخمی ☆ مفلس

v) محاورہ "منہ میں زبان رکھنا" سے مراد ہے:
☆ منہ میں جیبھ (گوشت کا عضو) کا ہونا ☆ بولی جاننا ☆ وعدہ کرنا ☆ بات کرنے کی جرات کرنا

vi) شاعری میں جدت طرازی اور فلسفہ کو انہوں نے اجاگر کیا:
☆ میر تقی میر ☆ اقبال ☆ میر درد ☆ اسداللہ غالب

vii) حیوان ظریف انہیں کہا جاتا ہے:
☆ اسداللہ غالب ☆ میر درد ☆ اقبال ☆ حالی

viii) غالب کو حیوان ظریف کس نے کہا؟
☆ میر تقی میر ☆ میر درد ☆ اقبال ☆ حالی

ix) غالب پہلے اس نام سے شاعری کیا کرتے تھے:
☆ میر ☆ اقبال ☆ اسد ☆ ظریف

x) نجم الدولہ اور دبیر الملک ان کے خطابات ہیں:
☆ اسداللہ غالب ☆ میر تقی میر ☆ میر درد ☆ علامہ اقبال

xi) ان کے دیوان کو "ہندوستان کی الہامی کتاب" کہا جاتا ہے:
☆ میر تقی میر ☆ اقبال ☆ میر درد ☆ اسداللہ غالب

xii) پہلا فلسفی شاعر انہیں کہا جاتا ہے:
☆ میر تقی میر ☆ اسداللہ غالب ☆ علامہ اقبال ☆ میر درد

JOIN FOR MORE!!!

داغ دہلوی

i) الفاظ آغاز اور انجام میں صنعت ہے:
☆ مبالغہ ☆ تشبیہ ☆ تضاد ☆ تعلیل

ii) الفاظ "عیش، خوشی" میں صنعت ہے:
☆ تضاد ☆ تعلیل ☆ مبالغہ ☆ رعایت لفظی

iii) الفاظ "اتنی ہی" اور "بسا غنیمت" میں صنعت ہے:
☆ مبالغہ ☆ رعایت لفظی ☆ تعلیل ☆ تضاد

iv) الفاظ "بے کسی اور تباہ" میں صنعت ہے:
☆ تشبیہ ☆ استعارہ ☆ رعایتِ لفظی ☆ مبالغہ

v) اس غزل میں لفظ "دم" کے معنی ہیں:
☆ سانس ☆ پھونک ☆ نسخہ ☆ وقت

JOIN FOR MORE!!!

حسرت موہانی

i) لفظ "سر اٹھانا" ہے:
☆ فعل ☆ محاورہ ☆ روزمرہ ☆ مصدر

ii) "ہے انتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق" اس مصرعے میں صنعت ہے:
☆ مبالغہ ☆ تضاد ☆ تشبیہ ☆ تلمیح

iii) "حسرت اور جا کے کریں جس کی بندگی" یہ مصرع ہے:
☆ مطلعے کا ☆ مقطعے کا ☆ شعر کا ☆ رباعی کا

iv) "اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زبان سے ہم" اس مصرعے میں رمز وقف ہے:
☆ سکتہ ☆ ختمہ ☆ ندائیہ ☆ استفہامیہ

v) اس غزل کے مقطعے میں لفظ "اور" سے مراد ہے:
☆ مزید ☆ اس کے علاوہ ☆ طرف ☆ دوسرا

vi) مسیحائے غزل/غزل کا مسیحا انہیں کہا جاتا ہے:
☆ حسرت موہانی ☆ میر درد ☆ میر تقی میر ☆ اسد اللہ غالب

vii) رئیس المتغزلین ان کا لقب ہے:
☆ میر تقی میر ☆ اسد اللہ غالب ☆ میر درد ☆ حسرت موہانی

viii) آبروئے غزل انہیں کہا جاتا ہے:

☆میر تقی میر ☆میر درد ☆حسرت موہانی ☆اسداللہ غالب

ix) تحریک آزادی کے دوران کس اردو شاعر نے قید بامشقت کی سزا کاٹی؟

☆حسرت موہانی ☆میر درد ☆اسداللہ غالب ☆علامہ اقبال

x) سیدالاحراران کا لقب ہے:

☆میر تقی میر ☆میر درد ☆اسداللہ غالب ☆حسرت موہانی

xi) اردو غزل کے احیاء کی شاعری ان کے کلام کو کہا جاتا ہے:

☆میر تقی میر ☆علامہ اقبال ☆حسرت موہانی ☆اسداللہ غالب

xii) حسرت موہانی کا اصل نام تھا:

☆میر حسرت ☆میر حسرت درد ☆سید فضل الحسن ☆محمد حسرت

JOIN FOR MORE!!!
احمد فراز

i) صرصر ایک ہوا ہے جو چلتی ہے:

☆جنگل میں ☆سمندر میں ☆صحراؤں میں ☆دریاؤں میں

ii) لفظ "بہار اور چمن" ایک دوسرے کے ہیں

☆مترادف ☆مخالف ☆متبادل ☆رعایت لفظی

iii) تکلف، اخلاص، دوست۔ ان لفظوں کے لیے یہ صنعت ہوتی ہے:

☆تضاد ☆رعایت لفظی ☆مبالغہ ☆تلمیح

iv) منیر نیازی کی غزل میں کافیے کے طور پر استعمال ہوا ہے:

☆گئیں ☆منیر ☆کر ☆صرصر

v) منیر نیازی کی غزل کے مطلعے میں لفظ استعمال ہوا ہے.

☆زر ☆نگر ☆صرصر ☆وکر

قابل اجمیری

i) "رات کٹ جانا، سکوت، شور زنجیر، دیوار، زندان، میں صنعت پائی جاتی ہے
☆صنعت تضاد ☆مراعات النظیر ☆مبالغہ ☆تعلیل

ii) عشرت زیست سے مراد ہے:
☆غمزدہ حیات ☆عیش والی حیات ☆ابدی حیات ☆آب حیات

iii) شاعر نے غزل میں تعریف کی ہے:
☆ظلمت ونور سے ☆رنگ وبو سے ☆نور سحر سے ☆چاند وسورج سے

iv) غزل کے آخر میں ہوتا ہے:
☆مطلع ☆مقطع ☆ردیف ☆تخلص

v) کٹ جائے گی:
☆صبح ☆شام ☆رات ☆سحر

JOIN FOR MORE!!!

پیامِ لطیف (وائی) آفاق صدیقی

i) اول نام ہے:
☆حدیث کا ☆قرآن کا ☆اللہ کا ☆نماز کا

ii) بھٹکے ہوئے کو دکھانا چاہیے:
☆سیدھا رستہ ☆واضح نقشہ ☆ٹی وی پر منظر ☆گھر کا پتا

iii) بے کسی کرتی ہے:
☆کمزور ☆بیمار ☆حملہ ☆بے بس

iv) "پیام لطیف" پیغام ہے:
☆حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کا ☆حضرت سچل سرمست کا
☆بابا فریدالدین گنج شکر کا ☆حضرت بہاؤالدین زکریا کا)

شاہ عبداللطیف بھٹائی کی شاعری کا انداز ہے:
☆اصلاحی ☆عوامی ☆سیاسی ☆نعتیہ

اشعار کی تشریح

خواجہ میر درد

غزل نمبر 1

شعر نمبر 1:

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا — حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

انسان میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اللہ کی صفات لکھ سکے کیونکہ وہ ہماری تقدیر کا مالک ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مقدور	طاقت	وصف	صفت، خوبی	حقا	سچ ہے، خدا کی قسم	خداوند	مالک، خدا	لوح و قلم	سختی اور قلم، انسان کا نامہ اعمال، تقدیر

فنی خوبی:

مطلع (غزل کا پہلا شعر)

تشریح:

شاعر اس شعر میں اپنے محبوب حقیقی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم تیری خوبیاں بیان کر سکیں۔ یہ سچ ہے کہ تو لوح و قلم کا مالک ہے تو تقدیر لکھنے والا ہے۔ ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم تیرے اوصاف بیان کر سکیں۔ اگر سارے سمندروں کو سیاہی بنا دی جائے اور تمام درختوں کو قلم بنا دیے جائیں یہ سیاہی اور قلم لکھ لے کر ختم ہو جائیں لیکن اے اللہ! تیری صفات بیان کرنا محال ہے شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالی کی تعریف کماحقہٗ نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ہماری تقدیر کا فیصلہ کرتا ہے اور ہمارے نامہ اعمال کا مالک ہے۔

مماثل شعر:

کہاں میں بندہ عاجز کہاں حمد و ثنا تیری
حدودِ عقل سے بڑھ کر ہے عظمت اے خدا تیری

اردو(لازمی)

شعرنمبر2:

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہو دے تعقل کے قدم کا

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

انسان اپنی عقل سے خدائی کے احاطے تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مسند	بیٹھنے کی جگہ، تکیہ گاہ	جلوہ نما	تشریف فرما، مقام دیدار	تاب	حوصلہ، مجال، قوت	تعقل	عقل

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

خواجہ صاحب اس شعر میں اپنے محبوب حقیقی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ تو جس کا احترام اور عزت کی جگہ اور مقام مرتبہ ہے۔ ہماری عقل کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے۔ یعنی ہم میں اتنی فہم و فراست نہیں ہے کہ ہم تیری عظمت اور بڑائی کو سمجھ سکیں انسانی عقل کی پہنچ اتنی نہیں ہے کہ تمہارے مرتبہ کا ادراک کر سکیں ہماری عقل ناقص ہیں اور یا اللہ تیری عقل کامل ہے۔ اللہ کی ذات وراء الوراء ذات ہے ہماری سوچ کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی اور اپنی عقل سے خدائی کا احاطہ کرنا بھی محال ہے۔

مماثل شعر

باہر نہ آ سکی تو قید خودی سے اپنی
اے عقل بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

شعرنمبر3:

بستے ہیں ترے سائے میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

تیری ہی مرضی سے ہندو اور مسلمان جی رہے ہیں اور مندر مسجد آباد ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
شیخ	مسلمان	برہمن	ہندو کی بڑی ذات	دیر	مندر	حرم	مسجد

فنی خوبی:

صفت تضاد(شیخ، برہمن)،(دیر،حرم)

تشریح:

خواجہ صاحب اس شعر میں اپنے محبوب حقیقی سے مخاطب ہوکر فرمارہے ہیں کہ تمام انسان تیری ہی سائے میں جیتے ہیں۔ یہ سب تیرے بندے ہیں چاہے وہ شیخ ہوں یا برہمن، ہندو ہوں یا مسلمان، جیسا بھی ہو لیکن وہ تیرے بندے ہیں آپ ان کے گناہوں کی تلافی کے منتظر ہیں۔ سب تیرے ہی دم سے مسجد اور مندر آباد ہیں دنیا کی حقیقت تیرے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں اگر ہوتی تو کافروں کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ دیتا لیکن تو کریم ذات ہے اپنی عنایت اور مہربانیاں ہندو اور مسلمان سب پر کرتا ہے۔ کیونکہ سب تیرے بندے ہیں اور یہ تیرے ہی دم سے جی رہے ہیں۔

مماثل شعر:

مدرسہ یا دیر تھا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں بس تو ہی صاحب خانہ تھا

شعر نمبر 4:

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسہ ہے تو تیرے ہی کرم کا

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

انسان کو اللہ کے قہر و غضب کا ڈر اور اللہ ہی سے امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خوف	ڈر	بھروسہ	اعتماد	کرم	عنایت، مہربانی	غضب	قہر اور عتاب

فنی خوبی:

صفت تضاد(غضب،کرم)

تشریح:

خواجہ میر درد اس شعر میں اپنے محبوب حقیقی سے مخاطب ہوکر فرمایا رہے ہیں اگر میرے دل میں کسی کا ڈر ہے خوف ہے تو وہ صرف تیرے غیض و غضب کا میں صرف تجھ ہی سے ڈرتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض نہ ہو اور دل میں بخشش کی امید بھی اللہ ہی کی ذات سے ہے کیونکہ وہ بخشنے اور معاف کرنے والا ہے۔ اور تجھ ہی پر ہم بھروسا کرتے ہیں اپنے گناہوں کی ستاری کا، تو بڑا کریم ہے اے اللہ تجھ سے تمام امیدیں وابستہ ہیں کہ تیرا قہر و غضب مجھ پر نازل نہیں ہوگا تو مجھے اپنے کرم سے معاف فرمادے گا۔

مماثل شعر:

سامنا قہر کا ہے دفتر اعمال ہیں پیش
ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے

شعرنمبر5:

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کہ دنیا کی زندگی ایک بلبلے کی مانند بہت قلیل ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مانند	کی طرح، مثال	حباب	پانی کا بلبلہ	بحر	سمندر

JOIN FOR MORE...

فنی خوبی:

مقطع (غزل کا آخری شعر)

تشریح:

خواجہ میر درد اس مقطع میں زندگی کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس شعر میں کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی بڑی مختصر ہے۔ ایک بُلبُلے کی مانند ہے کہ جو پل میں ختم ہو جاتا ہے۔ ہم اس دنیا میں پانی کے بلبلے کی طرح آئے جیسے پانی کا بلبلہ اٹھتے ہی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ہماری زندگی بھی نہ پائیدار ہے ہم بلبلے کی طرح سمندر میں زیادہ دیر نہیں رہ سکتے اس لیے انسان کو آخرت کی فکر کرنی چاہیے جو حقیقت ہے

مماثل شعر:

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

غزل نمبر02

شعرنمبر1:

ارض وسما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

حوالہ شاعر:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

انسان کے علاوہ کسی اور میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی وسعت کو پا سکے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ارض وسماء	زمین وآسمان	وسعت	کشادگی

فنی خوبی:

مطلع (غزل کا پہلا شعر)

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ اے خُدا یہ زمین وآسمان تیری وسعت کو نہیں پا سکتے۔ تیری وسعت کو پانا ان کے بس میں نہیں ہے۔ یہ صرف میرا دل ہے کہ جہاں تو سما سکتا ہے، جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے۔ شاعر نے زمین وآسمان کی کشادگی کو دل کے مقابلے میں ہیچ قرار دیا ہے۔ شاعر اپنے محبوب حقیقی سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ انسان کے علاوہ کسی اور میں اتنی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی وسعت کو پا سکے۔ قران مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اور شاعر نے اسی کی تشریح اس شعر میں بیان کی ہے۔

بیشک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو اُنہوں نے اس کے اُٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور آدمی نے اُٹھالی بیشک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

اوروں سے تو گرانی یک لخت اٹھ گئی تھی
اے درد اپنے دل کے گر یار ہیں تو ہم ہیں

شعر نمبر 2:

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے
آئینہ کیا مجال! تجھے منہ دکھا سکے

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اے اللہ! تو ایسا وحدہ لاشریک ہے۔ شریک تو درکنار لفظ دو ہی بھی میرے تصور میں نہیں آتا کا بیان

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
وحدت	توحید، اکیلا	دوئی	شرک، دو ہونا

تشریح:

اس شعر میں شاعر عقیدہ توحید کی وضاحت کر رہے ہیں کہ وحدت سے مراد توحید ہے۔ شاعر کہتا ہے اے اللہ! تو ایسا اکیلا ہے کہ تیری ذات کا تصور کرتے ہوئے کسی کو شریک کرنا تو محال ہے۔ شرک جو حرف ہے شریک دو ہی وہ بھی میرے ذہن میں نہیں آتا۔ تو ایسا وحدہ لاشریک ہے۔ شریک تو درکنار لفظ دو ہی بھی میرے تصور میں

نہیں آتا کہ آپ جیسا کوئی نہیں تیرے جیسا کوئی مثل نہیں آئینہ نہیں کہ آپ کو دکھا سکیں۔ ہماری عقل کی رسائی وہاں تک ممکن نہیں ہے یعنی ہم میں اتنی فہم و فراست نہیں ہے کہ ہم تیری عظمت اور بڑائی کو سمجھ سکیں انسانی عقل کی پہنچ اتنی نہیں ہے کہ تمہارے مرتبہ کا ادراک کر سکیں ہماری عقل ناقص ہیں اور یا اللہ تیری عقل کامل ہے اللہ تیری ذات وراء الوراذات ہے ہماری سوچ کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی اور اپنی عقل سے خدائی کا احاطہ کرنا بھی محال ہے۔ تو وحدہٗ لاشریک ہے، تو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ تیرا تصور کر سکیں۔

مماثل شعر:

تصور تیری ذات کا ہے محال
کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال

شعر نمبر 3:

قاصد! نہیں یہ کام ترا، اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

خط میں دل کی کیفیت نہ لکھنے کے باوجود دلی کیفیت سے واقفیت کا اظہار۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
قاصد	پیغام لے کر جانے والا	پیام	پیغام

تشریح:

شاعر اس شعر میں محبوب کا پیغام لانے والے نامہ بر، قاصد سے فرما رہے ہیں۔ کہ تو میرے محبوب کا پیغام لے کر آیا ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ اس نے اس خط میں اپنے دل کا حال بیان نہیں کیا ہوگا کہ کہیں توں میرے محبوب کے دل کا حال جان نہ لے۔ اے قاصد، اے نامہ بر یہ ٹھیک ہے کہ تو نامہ، خط لے کر آتا ہے۔ لیکن مجھے اس کا پیغام درکار ہے، وہ تیرے بس کا نہیں، لہٰذا تو چلا جا۔ محبوب کا پیام لانا تیرا کام نہیں ہے۔ اس کا پیام دل کے سوا کوئی دوسرا لا ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس خط میں دل کی کیفیت نہ لکھنے کے باوجود میں اس کی دل کی کیفیت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اور جانتا ہوں کے کیا پیغام دینا چاہتا ہے۔ بخوبی جانتا ہوں، کیونکہ میں محبوب کے دل کا حال کو بہتر جانتا ہوں۔ میں اس سے باخبر ہوں کہ اس کے دل میں کیا ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے۔

مماثل شعر:

پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

شعر نمبر 4:

غافل! خُدا کی یاد پہ مت بھول زینہار

JOIN FOR MORE!!!

اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

اللہ کی یاد میں خود کو بھلا دینے کا تذکرہ

فنی خوبی:

صفت و تضاد (یاد، بھول)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
زینہار	ہرگز	غافل	بے پرواہ	اپنے تئیں	خود کو

JOIN FOR MORE

تشریح:

خواجہ میر درد اس شعر میں فرما رہے ہیں کہ اے غفلت شعار انسان خُدا کی یاد کو اپنے دل میں ہمیشہ رکھ۔ اس کو کبھی مت بھلا۔ اگر بھلا سکتا ہے تو اس کی یاد میں خود کو بھلا دے۔ اس شعر میں شاعر تفاخر کرنے والے عابد اور زاہد سے فرما رہے ہیں، کہ غافل تم تھوڑی بہت عبادت کر کے فخر کرنے لگتے ہو۔ اور اپنی عبادت میں ریاکاری کرتے ہو۔ حالانکہ اس عبادت کی توفیق بھی اللہ کی چاہت اور مرضی سے ہوتی ہے۔ انسان میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ عبادت کر سکے یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ اللہ کی یاد کو ہمیشہ اپنے دل میں رکھے، اور اللہ کی یاد میں فنا فی اللہ ہو جائے اللہ کو مت بھلائے بلکہ کہ اپنے آپ کو اللہ کی یاد میں بھلا دیں اور دل میں بخشش کی امید بھی اللہ ہی کی ذات سے ہو۔ کیونکہ وہ بخشنے اور معاف کرنے والا ہے۔ اے اللہ تجھ سے تمام امیدیں وابستہ ہیں کہ تو مجھے اپنے کرم سے معاف فرما دے۔

مماثل شعر:

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقاء کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

شعر نمبر 5:

☆ گو بحث کر کے بات بٹھائی بھی کیا حصول
دل سے اٹھا غلاف اگر تو اٹھا سکے

حوالہ:

پیشِ نظر شعر خواجہ میر درد کی غزل سے لیا گیا ہے درد کو اردو کا پہلا صوفی شاعر اور تصوف کا امام کہا جاتا ہے۔

مرکزی خیال:

زبان کو خاموش کرنے سے کیا حاصل اصل تو دلوں کو قائل کرنا اصل کمال ہے۔

فنی خوبی:

مقطع (غزل کا آخری شعر)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بحث	مناظرہ	غلاف	خول

تشریح:

خواجہ میر درد اس شعر میں فرما رہے ہیں ہیں کو بحث کر کے بات بٹھائی تو کیا حصول۔ اکثر نسخوں میں دیوان درد میں بٹھائی ہے اور ہماری درسی کتاب میں بنائی مکتوب ہے شاید مخاطب ہے فرما رہے ہیں جو لوگ بحث و مباحثہ کر کے اپنے مدمقابل کو خاموش کروا دیتے قرائن کی روشنی میں یا دلائل کی قوت کی وجہ سے شاعر کہہ رہے ہیں کہ زبان کو خاموش کرنے سے کیا حاصل اصل تو دلوں کو قائل کیا کرو زبانوں کو بند نہ کیا کرو اگر تم کسی کو لاجواب کرنا چاہتے ہو تو دل سے قائل کیا کرو اپنے دل کی بات اس کے دل میں اتار دو اچھے طریقے سے احسن طریقے سے۔

مماثل شعر:

تُو عرب ہو یا عجم ہو، ترا 'لا الٰہ الا'
لُغتِ غریب، جب تک ترا دل نہ دے گواہی

میر تقی میر

JOIN FOR MORE!!!

غزل نمبر 01

شعر نمبر 1:

رہی نکفتہ مرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
نکفتہ	نہ کہی ہوئی بات	داستان	قصہ، کہانی	دیار	در کی جمع (مراد گھر) ملک

فنی خوبی:

مطلع (غزل کا پہلا شعر)

مرکزی خیال:

میر کی زندگی میں مایوسی کی کیفیت جسے وہ کبھی بیان نہیں کر پائے۔

تشریح:

میر تقی میر اس شعر میں حسرت بھرے انداز میں فرما رہے ہیں کہ میں اپنے دل کی اصل حالت کو کبھی بیان نہیں کر سکا۔ جو میرا حال ہے سب کے سامنے ہے اس کے علاوہ میرے دل میں اور بہت کچھ ہے جسے میں کبھی بیان نہیں کر پایا۔ جب ہماری زندگی کی صبح شام میں ڈھل جائے گی۔ ہم چلے جائیں گے پھر کہیں زمانے کو ہوش آئے گا۔ اور وہ پھر کف افسوس ملتا رہ جائے گا۔ زندگی میں میر کی کسی نے ان کی داستان الم نہ سنی، کسی نے اہمیت نہ دی اور غفلت میں پڑے رہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ میری بدقسمتی یہ بھی ہے کہ کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملا، نہ ہی میری زندگی میں آیا، جو میرے دل کی زبان کو سمجھتا ہو، مجھ سے محبت کرتا ہو اور میرے جذبات اور احساسات سے واقف ہوتا، اس احساس نے میر تقی میر صاحب کی زندگی میں مایوسی کی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

مماثل شعر:

جی کی جی میں رہی بات نہ ہونے پائی
حیف کہ ان سے ملاقات نہ ہونے پائی

شعر نمبر2:

بہ رنگِ صوتِ جرس تجھ سے دور ہوں تنہا
خبر نہیں ہے تجھے آہ، کارواں میری

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
صوت	آواز	جرس	گھنٹی	کارواں	قافلہ

مرکزی خیال:

محبوب کی ناراضگی کا اظہار

فنی خوبی:

تشبیہ (خود کو کارواں کی صوت جرس سے تشبیہ دی ہے۔

تشریح:

اس شعر میں میر تقی میر صاحب کہتے ہیں کہ جس طرح قافلوں میں گھنٹی کی آواز سے ایک دوسرے کی خبر ہوتی ہے اور اس گھنٹی کی آواز سے تمام قافلے والے متوجہ ہو جاتے ہیں۔ میرے دل کی یہی حالت ہے۔ آج میں اپنے محبوب سے دور ہوں اور میرا دل قافلے کی گھنٹی کی آواز بن کر اپنے محبوب (کارواں) کو پکار رہا ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ میرا محبوب میری طرف متوجہ نہیں ہوتا اور میری تنہائی کا اختتام بھی نہیں ہو رہا۔ اب تو میں فراق کی صعوبتیں سہہ سہہ کر نڈھال ہو چکا ہوں۔ تیری ان جفا کاریوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم تیری جدائی کا ناسور لیے اس جہان فانی سے کوچ کر جائیں گے۔ اور تیرے پاس سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں ہوگا۔ اور لوگ تجھے ہماری موت کا سبب جانیں گے۔

مماثل شعر:

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

شعر نمبر3:

اُسی سے دور رہا اصل مدعا جو تھا
گئی یہ عمرِ عزیز آہ رائگاں میری

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اصل مدعا	زندگی کا مقصد	رائگاں	ضائع

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

زندگی کا سب سے بڑا مقصد محبوب کی قربت ومحبت۔لیکن ناکامی پر افسوس کا اظہار

تشریح:

اس شعر میں عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں معنی بن سکتے ہیں۔شاعر اپنی زندگی کی ناکامیوں کی داستان کو بیان کررہے ہیں۔شاعر کہتے ہیں کہ افسوس کی بات ہے کہ میں نے اپنی زندگی کو ضائع کردیا۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ دنیا میں آنے کا اصل مقصد تو کچھ اور تھا یعنی اللہ کی بندگی اللہ کی عبادت کرنا۔دنیا کی لذتوں میں گرفتار رہا اور گناہوں میں مبتلا رہا۔اب افسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی ضائع ہوگئی۔کیوں کہ اب تو زندگی کا اختتام قریب ہے سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔اس شعر کا ایک مفہوم عشق مجازی سے بھی بنتا ہے شاعر یہاں اپنے محبوب کو اپنی زندگی کے مقصد قرار دیتے ہوئے اس بات پر افسوس کا اظہار کررہے ہیں، کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد محبوب کی قربت ومحبت تھی۔لیکن وہ ساری زندگی محبت میں ناکام رہے اور محبوب ان سے دور رہا۔اور اب مجھے اس بات کا افسوس ہورہا ہے کہ میری زندگی ضائع ہوگی۔

مماثل شعر:

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
کس لئے آئے تھے ہم کیا کر چلے

شعر نمبر 4:

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
فراق	دوست سے جدائی	مفلس	فقیر، نادار محتاج

مرکزی خیال:

محبوب کے جدا ہونے اور دور ہونے کی وجہ سے پریشانی کا اظہار

تشریح:

میر تقی میر زیر نظر شعر میں عشق کی بے چینی فراق عشق کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محبت میں محبوب کی ذات سے ایک عجیب تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔لیکن اب اس فراق اور جدائی میں ہمارا دل اس قدر تڑپتا ہے کہ جیسا سینے سے باہر آجائے گا۔اور اس لمحے ہم اپنے آپ کو سنبھالنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے دوری پر اپنے احساسات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔کہ تمہارے جدا ہونے اور دور ہونے کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوگیا ہوں۔اور مجھے عجیب طرح کے وسوسوں نے گھیر لیا۔اور میرے ذہن میں عجیب عجیب سے خیالات آرہے ہیں کہ کہیں تم مجھ سے ہمیشہ کے لئے دور نہ ہوجاؤ یا مجھ سے خفا ہوکر مجھے چھوڑ نہ دو۔ان خیالات نے مجھے بہت تکلیف سے دوچار کردیا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

شعر نمبر5:

دیا دکھائی مجھے تو اُسی کا جلوہ میرؔ
پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

جلوہ	دیدار، نظارہ

فنی خوبی:

مقطع (غزل کا آخری شعر)

مرکزی خیال:

دنیا کی ہر چیز میں محبوب کا جلوہ دکھائی دینے کا اظہار خیال

تشریح:

یہ شعر عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں نوع کی کیفیات کو شامل ہیں۔ یہاں ایک صوفیانہ تصور وحدت الشہود نظر آ رہا ہے جس کے مطابق دنیا کی ہر شے میں اللہ تعالی کا عکس موجود ہے۔ یا ہر شے میں وہ دکھائی دیتا ہے۔ اور جب میں دنیا میں جہاں کہیں نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں یا کوئی بھی شئے دیکھتا ہوں، تو مجھے صرف اور صرف تیری ذات ہی دکھائی دیتی ہے۔ اس شعر میں لفظ جہاں دو مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ پہلی جگہ جہاں سے مراد دنیا جب کہ دوسری جگہ جہاں سے مراد جدھر بھی ہے۔ اگر عشق مجازی کے اعتبار سے اس شعر کو دیکھیں تو اس شعر میں شاعر عشق کی معراج بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں محبت میں ایسی کیفیت میں مبتلا ہو گیا ہوں کہ مجھے ہر جگہ اپنا محبوب ہی دکھائی دے رہا ہے یہاں تک کہ دنیا جہاں میں جس شے کو بھی دیکھوں یا جہاں بھی نگاہ اٹھاؤں مجھے صرف تو ہی دکھائی دیتا ہے۔

مماثل شعر:

جگ میں آ کر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر، جدھر دیکھا

JOIN FOR MORE!!!

غزل نمبر02

شعر نمبر1:

تھا مستعار حُسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا زرا ظہور تھا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مستعار	ادھار لینا	خورشید	سورج	زرہ ظہور	تھوڑا سا ظاہر ہونا

فنی خوبی:

مطلع (غزل کا پہلا شعر)

مبالغہ (محبوب کے حسن کی تعریف میں مبالغہ)

مرکزی خیال:

اس دنیا میں جتنی بھی خوبصورتی اور رنگینیاں ہیں وہ فقط اللہ کے حسن کے ہونے کی وجہ سے ہیں۔

تشریح: اس شعر کی تشریح کچھ یوں ہے کہ کائنات میں جتنا بھی نور ہے وہ اس کے حسن سے لیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ سورج میں جو نور ہے وہ اس کے حسن کا ناہونے کے برابر نظر آنے والا حصہ ہے۔ یا دوسرا مطلب اس شعر کا یہ بھی بنتا ہے کہ اس دنیا میں جتنی بھی خوبصورتی اور رنگینیاں ہیں وہ فقط اس کے حسن کے ہونے کی وجہ سے ہیں اور دوسرے مصرعے میں سورج کی مثال دے کر اس کی ایک دلیل دی گئی ہے۔ اور میر اس شعر میں خدائے لاشریک کی تعریف کر رہے ہیں۔ اس شعر میں اس سے مراد اللہ پاک کی ذات ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہے تو خدا بھی ہے

شعر نمبر 2:

منعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا
اس رند کی بھی رات گزر گئی جو عور تھا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

منعم: نعمت دینے والا، امیر، مالدار، دولت مند، غنی

قاقم: نیولے کی قسم کا ایک جانور جس کی کھال بہت قیمتی ہوتی ہے۔ اس کی کھال سے پوستین بنتی ہے۔ اس کی کھال کو بھی قاقم کہتے ہیں۔
قاقم سے مراد ایسا لباس ہوتا ہے جو کہ سردیوں میں عام طور پر سردی سے بچنے کے لیے پہنا جاتا ہے۔

سنجاب: خاکستری رنگ کا ایک جانور جس کی کھال سے پوستین یعنی سردیوں کا لباس تیار کیا جاتا ہے۔

رند: اوباش، بے پرواہ، بے باک، حیلہ گر

عور: برہنہ، بے لباس، شعر میں اس سے مراد ایسا شخص ہے جو اپنی غربت کے باعث اپنی برہنگی کو ڈھانپ نہیں سکتا ہے۔

مرکزی خیال:

انسان غم میں ہو یا خوشی کے عالم میں ہو وقت سدا ایک سا نہیں رہتا۔

تشریح:

میر اس شعر میں وقت کا فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ وقت چاہے اچھا ہو یا برا، خوشی کا ہو یا غم کا، سختی کا ہو یا آرام کا آخر گزر ہی جاتا ہے۔ لفظی مطلب شعر کا یہ بنتا ہے کہ کسی امیر آدمی کے پاس ایسا لباس تھا کہ وہ اس سے اپنی برہنگی دور کر سکے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے رات تو اس رند کی بھی گزر گئی جو کہ بے لباس تھا۔ محمود و ایاز کے حوالے سے ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جو کہ کچھ یوں ہے کہ محمود کے پاس ایک انگوٹھی تھی انہوں نے ایاز سے کہا کہ اس انگوٹھی پر کچھ ایسا لکھ دو جس کو میں غمی میں پڑھوں تو خوش ہو جاؤں اور خوشی میں پڑھوں تو غمگین۔ جناب ایاز بھی آخر ایک ذہین فطین شخص تھے انہوں نے وقت کے حوالے ہی سے ایک جملہ لکھ کہ "آخر یہ وقت بھی گزر جائے گا"۔ یہ قصہ بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان غم میں ہو یا خوشی کے عالم میں ہو وقت صدا ایک سا نہیں رہتا۔ میر ہی ایک دوسری غزل میں وقت کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں:

دلی میں آج بھیک بھی ملتی نہیں انہیں۔۔۔۔ تھا کل تلک دماغ جنہیں تاج و تخت کا

مماثل شعر:

وقت رہتا نہیں کہیں ٹک کر
عادت اس کی بھی آدمی سی ہے

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر 3:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
سر	انسان کا سر	استخوان	ہڈیوں کا ڈھانچہ

مرکزی خیال:

انسان کی گردشِ ایام کا تذکرہ

تشریح:

اس شعر میں میر نے گردشِ ایام کا تذکرہ کیا ہے کہ انسان بے شک اپنی زندگی میں کتنا ہی امیر کبیر، کتنا ہی متکبر یا کتنا ہی دولت مند رہا ہو، مرنے کے بعد اس نے جانا اسی خاک میں ہے۔ جس میں کسی غریب کو دفن کیا جاتا ہے۔ خاک ہو جاتی ہے، انسان کی ساری اکڑ اور اس کا سارا غرور، جب کہ وہ خاک میں سما جاتا ہے۔ کاسہ کا مطلب ہے سر کا پیالہ، اب سر کا پیالہ کیا ہوتا ہے کہ جب آدمی مر جاتا ہے تو اس کا جسم گل سڑ جاتا ہے ہڈیاں کچھ باقی رہ جاتی ہیں سر جس چیز میں ہمارا بند ہے وہ اک خالی پیالے کی شکل میں باقی رہ جاتا ہے۔ تو شاعر کہتے ہیں کہ میں کل جا رہا تھا، تو راستے میں میرے پاؤں کے نیچے کسی کا سر آ گیا، ظاہر ہے وہ ہڈی کی شکل میں ہوگا، یکسر یعنی بالکل ہی استخوان یعنی ہڈیوں کا ڈھانچہ یعنی میرے پاؤں کے نیچے آیا تو وہ ٹوٹ پھوٹ گیا۔ میر انیس کے بھتیجے میر وحید کا ایک شعر اس ضمن میں کچھ یوں ہے:

مماثل شعر:

اردو (لازمی)

کل تک تھے تخت و تاج جن کے اختیار میں
تنہا پڑے ہیں آج وہ کنجِ مزار میں

شعر نمبر 4:

کہنے لگا دیکھ کر چل راہ بے خبر!
میں بھی کبھو کسو کا سر پُر غرور تھا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
کبھو	کبھی	کسو	کسی	پُرغرور	بیسا سر جس میں غرور تکبر بھرا ہوا

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

انسان اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے جب ذرا سی نعمتیں و آسائش آجائیں۔

تشریح:

اس شعر میں میر نے گردشِ ایام کا تذکرہ کیا ہے۔ شاعر کہتے ہیں کہ میں کل جا رہا تھا تو راستے میں میرے پاؤں کے نیچے کسی کا سر آ گیا ظاہر ہے، وہ ہڈی کی شکل میں ہوگا، کہنے لگے کہ جب وہ میرے پاؤں کے نیچے آیا تو وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا یعنی سر کا پیالہ، وہ ٹوٹ گیا تو وہ سر مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے بے خبر! دیکھ کے چل، آنکھیں کھولو! مجھے بھی کبھو کسو سر پر غرور تھا یعنی مجھے بھی اپنے آپ پر غرور تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ تو سمجھ رہا کہ میں ہڈیوں کا ڈھانچا ہوں اور پیالہ بنا ہوا ہوں، میں بھی سر کی شکل میں تھا اور سر بھی ایسا تھا، جو پُر غرور تھا۔ جس کے اندر غرور بھرا ہوا تھا، شاعر کہتے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے، ذرا سی نعمتیں آسائش آجائے، ایسے لگتا ہے جیسے ساری دنیا کا مالک ہو گیا۔ مرنے کے بعد انسان کی حیثیت جو ہوتی ہے وہ ہڈیوں کے ڈھانچے سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی، اور وقت کے ساتھ ساتھ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قبریں بھی مٹ جاتی ہیں۔ قبروں میں سے انسان کی ہڈیاں اِدھر اُدھر بکھر جاتی ہیں۔ اس شعر میں شاعر نے عبرت دلانے کی کوشش کی ہے۔ اور نصیحت بھی کی ہے۔

مماثل شعر:

دیوتا بننے کی خواہش میں معلق ہو گئے
اب زمین پر آیئے اور آدمی بن جایئے

شعرنمبر5:

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنے قصور تھا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر میر تقی میر کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ خدائے سخن اور شہنشاہ تغزل ہیں۔

فنی خوبی:

مقطع (غزل کا آخری شعر)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
حورِ بہشتی	جنت کی حور	فہم	سمجھ، ادراک

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

حسنِ محبوب کی تعریف کا بیان کہ وہ اتنا حسین ہے کہ جنت کی حور بھی دیکھ کر رشک کرے۔

تشریح:

مقطع میں میر کیا خوب تعریف کرتے ہیں حسنِ محبوب کی کہ وہ اتنا حسین ہے کہ جنت کی حور بھی اگر اس کو دیکھے تو جنت کی حور بھی اس کو دیکھ کر رشک کرے۔ مگر ہم ہی ایسے ہیں کہ ہم اس کے حسن کو کچھ سمجھتے نہیں تو اس میں ہماری عقل کا قصور ہے نہ کسی اور چیز کا۔ ہم پاپنے محبوب کے قربت کے باوجود اس کے مقام کو نہ سمجھ سکے اب چونکہ وہ مجھ سے دُور ہو گیا ہے۔ اب اس کے حسن و جمال کا احساس ہوا ہے۔ لیکن افسوس ایسا حسن جس پر حور بھی رشک کرے اور ہم محبوب کے کمال حسن کو سمجھ نہ سکے۔

مماثل شعر:

اس کے چہرے کی چمک کے سامنے سادہ لگا
آسماں پہ چاند پورا تھا مگر آدھا لگا

خواجہ حیدر علی آتش

غزل نمبر 01

شعر نمبر 1:

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلقِ خُدا غائبانہ کیا

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

فنی خوبی:

مطلع (غزل کا پہلا شعر)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خلقِ خُدا	لوگ، مخلوق	غائبانہ	غیر موجودگی میں

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

کسی کے بھی متعلق خلقِ خُدا کا غائبانہ خیال

تشریح:

اس شعر میں غالباً حاکمِ وقت کی طرف اِشارہ ہے کہ تو اس خوش فہمی میں ہے کہ جو تو سوچتا ہے درست، جو کرتا ہے بجا ہے۔ کیونکہ رعایا اپنے حکمران کے فیصلوں پر سکوت اختیار فرماتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امیر لوگوں کے سامنے بہت سے لوگوں کا ہجوم رہتا ہے۔ اور لوگ ان کے غلط فیصلے پر بھی ان کو داد دیتے ہیں۔ اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ حقیقت میں اگر کسی کو پرکھنا ہو تو یہ دیکھا جائے کہ عوام الناس اور رعایا ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ لیکن اُنھیں معلوم نہیں کہ لوگ اُن کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ اب شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں جو کہانیاں تیرے متعلق بنی ہیں انہیں بھی سن اور یہ بھی سن کہ یہ خُدا کی مخلوق تیری پیٹھ پیچھے تجھ کو کیا کہتی ہیں۔ کس طرح یاد کرتی ہیں۔

مماثل شعر:

بجا کہیے جسے عالم اسے بجا سمجھو
زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

شعرنمبر2:

زیرِ زمین سے آتا ہے جو گُل سوزر بہ کف
قاروں نے راستے میں خزانہ لٹایا کیا

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

فنی خوبی:

صنعت تلمیح (قارون)
صنعت حسنِ تعلیل (زر بہ کف)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
زیرِ زمین	زمین کے نیچے	زر بہ کف	ہاتھ میں روپیہ پیسہ لئے ہوئے،	گُل	پھول

مرکزی خیال:

پھولوں کے اندر سنہرے زیرِ دانے وہ دراصل اس خزانے کا حصہ ہیں جو قارون کے ساتھ زمین میں غرق ہو گئے تھے۔

تشریح:

شاعر اس شعر میں کہتے ہیں کہ پھولوں کے اندر جو سنہرے زیرِ دانے ہوتے ہیں اور دکھتے نظر آتے ہیں۔ وہ دراصل اس خزانے کا حصہ ہیں جو کسی زمانے میں قارون بادشاہ کے ساتھ زمین میں غرق ہو گئے تھے۔ اور اب وہ پھولوں کے ساتھ آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ اس شعر میں تلمیح ہے۔ قارون حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ کا رشتہ دار تھا اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا قارون ایسا بادشاہ تھا جس کے پاس بہت بڑا خزانہ تھا۔ جسے وہ قافلے کی صورت میں ساتھ لے کر چلتا تھا۔ اور خدا کے حکم سے وہ اپنے خزانے کے ساتھ کی زمین میں دفن ہو گیا۔ یعنی شاعر یہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ دولت زمین میں بکھیر دی جو حسین پھول پودوں کی شکل مین ظاہر ہو رہی ہے۔

مماثل شعر:

اب اس کو خانہ خرابی کہو کہ معموری
زمین میں ساتھ خزانے کے دھنس گیا قارون

شعرنمبر3:

اڑتا ہے شوقِ راحتِ منزل سے اسپ عمر
مہمیز کہتے ہیں کسے؟، اور تازیانہ کیا؟

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اسپ عمر	زندگی کا گھوڑا	مہمیز	سوار کی ایڑھی میں لگا نوک دار آلہ	چابک	تازیانہ

مرکزی خیال:

زندگی کے مختصر اور فانی ہونے کا بیان

تشریح:

شاعر زندگی کے مختصر اور فانی ہونے کو بیان کر رہے ہیں۔ کہ زندگی کی اصل منزل موت ہے۔ اور وہ اس کی جانب سے خوشی سے گامزن ہے یہ ایک انسانی کیفیت بھی ہے۔ ہمارے سامنے ہماری منزل ہو تو ہم خوشی کے ساتھ اسے پانے کے لئے تیزی سے اس کی جانب گامزن ہوں گے۔ شاعر کہتے ہیں کہ زندگی گھوڑے کی مانند ہے جس کے سامنے اس کی منزل ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اس کے لئے اسے کسی چابک یا مار کی ضرورت نہیں ہے۔ اس شعر میں بھی شاعر نے انسان کی اسی کیفیت کو دوسرے انداز میں بیان کیا ہے کہ انسان کی خواہشات ہی اُسے دوڑانے کے لئے کافی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

سمندر عمر کو اللہ رے شوقِ کی آتش
عناں گسستہ و بے اختیار راہ میں ہے

شعر نمبر 4:

طبل و علم ہی پاس ہے اپنے، نہ ملک و مال
سہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
طبل و علم	اسلحہ اور جھنڈا

مرکزی خیال:

زمانے کی گردش اسے ہی نقصان پہنچا سکتی ہے جس کے پاس کچھ ہو۔

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ زمانے کی گردش اسے ہی نقصان پہنچا سکتی ہے جس کے پاس کچھ ہو۔اسلحہ اور فوجیں ہوں، مال ومتاع ہو۔ ہمارے پاس چوں کہ نہ ہی مال و دولت ہے اور نہ ہی اسلحہ اور فوجیں اور نہ ہی بادشاہت ہے یا دوسرا کوئی سامان ہے تو پھر اگر زمانہ ہمارے خلاف ہو بھی گیا تو ہمارا کیا بگاڑ لے گا۔شاعر کہتے ہیں کہ انسان کو دنیا کے مال ومتاع کی بہت زیادہ فکر نہیں کرنی چاہیے، بلکہ آخرت کے سفر کے لیے بھی یہ سامان سفر تیار کرتا رہے۔کیونکہ انسان کو اس دنیا سے دوسری دنیا میں جانا ہے،ایسا کرنے سے لوگ بھی اس کے خلاف نہیں ہوں گے اور اسی میں دونوں جہاں کی فلاح مضمر ہے۔

مماثل شعر:

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے
لوح جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں

شعر نمبر5:

آتی ہے کس طرح سے مرے قبض روح کو
دیکھوں تو موت ڈھونڈ رہی ہے بہانہ کیا

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
قبض روح	روح کا جسم سے نکالنا

مرکزی خیال:

موت ہماری روح نکالنے کے لئے کون سا بہانہ ڈھونڈ رہی ہے۔

تشریح:

اس شعر میں آتش زندگی کی حقیقت کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ جانے کون سا وقت تھا جب اس دنیا کا وجود ہوا اور اس کے نصیب میں زوال پذیر ہونا لکھ دیا گیا۔جیسے باغ میں کھلنے والے پھولوں کو بہر حال خزاں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔بالکل اسی طرح ہم سب کو موت کا سامنا کرنا پڑے گا۔موت آتی ہے تو کوئی نہ کوئی بہانہ ساتھ لاتی ہے کہ فلاں ایک حادثے میں مر گیا، فلاں حرکتِ قلب بند ہونے سے مر گیا۔اب شاعر کہتا ہے کہ ہماری روح نکالنے گویا ہماری موت کے لیے کون سا بہانہ ڈھونڈ رہی ہے۔یعنی دیکھتے ہیں کہ ہماری موت کا سبب کیا بنتا ہے۔

مماثل شعر:

زندگی بھی تو پشیماں ہے یہاں لا کے مجھے
ڈھونڈتی ہے کوئی حیلہ میرے مر جانے کا

JOIN FOR MORE!!!

شعرنمبر6:

یوں مُدعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے
آتش! غزل یہ تُو نے کہی عاشقانہ کیا

حوالہ شاعر:
یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

فنی خوبی: مقطع (غزل کا آخری شعر)
صنعت تعلّی

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
مُدعی	دعوے دار (دعوہ کرنے والا)

مرکزی خیال:
شاعر کی شاعرانہ عظمت کا بیان

تشریح:
حیدر علی آتش اپنی شاعرانہ عظمت کو بیان کرتے ہو؟ مبالغہ آرائی اور علو فرمارہے ہیں۔ دراصل خواجہ حیدر علی آتش اور ان کے ہم عصر شاعر امام بخش ناسخ کی آپس میں تکرار رہی۔ دونوں نے شعرا ایک دوسرے پر طنز کیا کرتے۔ آتش مدعی کو طنز کا نشانہ بناتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ اب اگر حریف حسد سے اس کی داد نہ دے تو دوسری بات ہے۔ مگر تمھاری یہ عاشقانہ غزل لاجواب ہے، بہت خوب ہے۔ فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوئے۔ اور ان کی شاعری نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ انہوں نے قدیم غزل کے مضامین کو نئے مطالب سے نوازا۔ اس لیے ان کا دعوٰی ہے کہ اے آتش تم نے نہایت پاکیزہ اور بُلند مضامین کی بہت بڑھیا غزل کہی ہے۔

مماثل شعر:

بندش الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں
شاعری بھی کام ہے آتش مرصع ساز کا

JOIN FOR MORE!!!

غزل نمبر2

شعرنمبر1:

چمن میں رہنے دے کون آشیاں نہیں معلوم
نہال کس کو کرے باغباں نہیں معلوم

حوالہ شاعر:
یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

فنی خوبی:

مطلع(غزل کا پہلا شعر)

تشبیہ:(دنیا کو باغ سے اور زمانے کو باغبان سے تشبیہ دی گئی ہے۔)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
چمن	باغ	آشیاں	گھونسلا	نہال	خوش	باغ باں	مالی

مرکزی خیال:

کبھی خوشی تو کبھی غم، یہ سب کچھ زمانے ہی کی گردش کا نتیجہ ہے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے دنیا کو چمن اور زمانے کو باغبان کہا ہے۔زمانے کی گردش کیا کیا رنگ نہیں دِکھاتی۔کبھی خوشی تو کبھی غم،سب کچھ زمانے ہی کی گردش کا نتیجہ ہے۔اب شاعر کہتا ہے کہ جب ہمارا کوئی آشیاں نہیں تو پھر باغبان ہمیں چمن میں بھی کیوں رہنے دے باغبان مالی جسے چاہے باغ سے فیضیاب ہونے دے اور جسے چاہے نہ ہونے دے۔اور زمانے کی گردش کس آشیاں پر بجلی بن کر گرے گی اور کس آشیاں کو سلامت رکھے گی،کس کو غم زیادہ کر دے اور کسے خوش حال کر دے کوئی نہیں جانتا۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

کل پھینکے ہیں عالم کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

شعر نمبر 02:

اخیر ہو گئے غفلت میں دن جوانی کے
بہار عمر ہوئی کب خزاں نہیں معلوم

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

فنی خوبی:

صنعت تضاد(بہار،خزاں)

صفت تشبیہ:(زندگی کو باغ سے تشبیہ دی گئی ہے)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
اخیر	ختم ہو گئی	غفلت	لاپرواہی

مرکزی خیال:

عمر کی بہار کب خزاں میں تبدیل ہوگئی۔اور غفلت ہی میں جوانی گزر گئی۔

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ آخر غفلت ہی میں جوانی گزر گئی۔ یہ بھی نہ سوجھا کہ آخرت بھی کوئی چیز ہے۔ نہ اس جہان کے کوئی کام انجام دیے اور نہ آخرت سنوارنے کی فکر کی۔ اس شعر میں شاعر یہ بھی کہہ رہے ہیں۔ کہ انسان کتنا نادان ہے، کہ ساری زندگی تو بے خبر رہتا ہے اور جب موت کا وقت آتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ تو سب ایک خواب کی مانند تھا۔ فقط ایک افسانے کے سوا کچھ نہیں۔ جوانی کی اُمنگ میں ایسے محو ہو گئے کہ پتہ ہی نہیں چلا، کہ عمر کی بہار کب خزاں میں تبدیل ہوگئی۔ یعنی جوانی بڑھاپے کی صورت میں بدل گئی ہے۔

مماثل شعر:

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

JOIN FOR MORE!!!

شعر نمبر 03:

سُپرد کس کے مرے بعد ہو امانت عشق
اٹھائے کون یہ بارِ گراں نہیں معلوم

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
امانت عشق	عشق کا بوجھ۔ عشق کی امانت	بارِ گراں	بھاری بوجھ

مرکزی خیال:

عشق کی امانت ہر کسی کے سُپرد نہیں کی جاسکتی۔

تشریح:

عشق کی امانت ہر کسی کے سُپرد نہیں کی جاسکتی۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے بعد یہ امانت عشق کس کے سُپرد ہوگی، کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ یہ بھاری بوجھ ہر کوئی نہیں اُٹھا سکتا۔ کچھ خاص لوگ ہی اس کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ عشق میں سب سے بلند مقام جنون کا ہے، اس مقام پر پہنچنے کے بعد عاشق ہر چیز سے بے نیاز اور صرف اور صرف محبوب کے خیال میں ہمہ وقت مستغرق رہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں تیرے عشق میں مبتلا ہو کر جنون کی حدود میں داخل ہو گیا ہوں۔ اب میں تمام فکروں سے

آزادہوں۔ نہ مجھے دنیا کی فکر ہے نہ کسی اور کی فکر۔ یہ آزادی تیری جنون کے سبب میسر آئی ہے۔ میرے بعد اب اس عشق کی لاج کون رکھے گا۔ کیا میرے بعد کوئی عشق کر بھی پائے گا۔

مماثل شعر:

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا

شعر نمبر 04:

کھلی ہے خانہ صیاد میں ہماری آنکھ!
قفس کو جانتے ہیں، آشیاں نہیں معلوم

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خانہ صیاد	شکاری کا گھر	قفس	پنجرہ	آشیاں	گھونسلہ

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

دنیا اک قید خانہ ہے، اصل زندگی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔

تشریح:

اس شعر میں حیدر علی آتش کہتے ہیں کہ یہ دنیا اک قید خانہ ہے، جس میں ہم قید ہیں، اور ہماری بے وقوفی یہ ہے کہ ہم اس کو اپنا گھر سمجھتے رہے اور ہماری پوری زندگی اسی غلط فہمی میں گزر گئی اور ہمیں آخر میں سمجھ آئی کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے۔ وہ اصل میں سراب اور دھوکہ ہے، صحرا میں سراب پر پانی کا گمان ہوتا ہے۔ درحقیقت زندگی کی نمائش بھی سراب کی سی ہے۔ اصل زندگی اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اس شعر میں شاعر حیدر علی آتش ہمیں خود پر غور و فکر کی دعوت دے رہے ہیں کہ ہم اس حقیقت کو جانتے ہوئے اپنی زندگی کو اپنے خدا کے احکامات کے مطابق گزاریں۔ اور اللہ کی معرفت حاصل کریں۔

مماثل شعر

کچھ قفس ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

شعرنمبر05:

چھٹیں گے زیست کے پھندے سے کس دن اے آتش
جنازہ ہوگا کب اپنا رواں نہیں معلوم

حوالہ شاعر:

یہ شعر خواجہ حیدر علی آتش کی غزل سے لیا گیا ہے جو دبستان لکھنو کے نمائندہ شاعر تھے۔

فنی خوبی:

مقطع (غزل کا آخری شعر)

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
زیست	زندگی	پھندے	جال

مرکزی خیال:

شاعر زندگی کی مشکلات تکالیف اور پریشانیوں کے سبب مایوسی کا شکار

تشریح:

اس شعر میں شاعر زندگی کی مشکلات تکالیف اور پریشانیوں کے سبب مایوسی کا شکار ہیں۔اور اپنی زندگی کو پھندا قرار دے رہے ہیں۔شاعر کہتے ہیں کہ میں نے زندگی میں جو تکلیف اور مشکلات جھیلیں، جتنی ناکامیابیاں، نامرادیاں میرا مقدر بنیں۔وہ سب میرے نصیب کی خرابی تھی۔اب میں ان سب مصائب سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں۔شاعر کہتے ہیں کہ نہ جانے وہ دن کب آئے گا کہ اس مشکل زندگی سے ہم آزاد ہو کر دنیا سے رخصت ہو جائیں گے اور ہمارا جنازہ اپنی آخری منزل کی جانب رواں دواں ہوگا۔

مماثل شعر

کوئی دن گر زندگانی اور ہے
اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے

JOIN FOR MORE!!!

مرزا اسداللہ خان غالبؔ

شعر نمبر 1:

دلِ ناداں تجھے ہُوا کیا ہے؟
آخر اِس درد کی دوا کیا ہے؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
ناداں	ناسمجھ

فنی خوبی:

مطلع (غزل کا پہلا شعر)

مرکزی خیال:

اپنے دل کو عشق کرنے سے باز آجانا اور محبوب کی طرف سے منہ موڑ لینے کا بیان۔

تشریح:

مرزا اسداللہ خاں غالب کا یہ شعر سادہ عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر معنویت لئے ہوئے ہے۔ اس شعر میں انہوں نے استفہامیہ انداز بیان اپنایا ہے۔ شاعر پہلے مصرعے میں اپنے دل کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے ناسمجھ دل تجھے کیا ہو گیا ہے، تو محبوب کے سب ظلم و ستم سہنے کے بعد بھی اس سے بیزاری کا اظہار نہیں کر رہا ہے۔ اگر اے دل تیرا یہی حال رہا تو پھر اس کا کیا علاج ہوگا۔ اب تو عشق کرنے سے باز آجا اور محبوب کی طرف سے منہ موڑ لے ورنہ تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔

مماثل شعر:

درد ہو دل میں تو دوا کیجئے
جو دل ہی نہ ہو تو کیا کیجئے

شعر نمبر 2:

میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پُوچھو، کہ مُدّعا کیا ہے؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
مُدعا	معاملہ

مرکزی خیال:

ہمارے احوال دوسروں سے پوچھنے پھرنے پر محبوب کو تنبیہ

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ تم ہمارے احوال دوسروں سے پوچھتے پھرتے ہو۔ ہمارے منہ میں بھی زبان ہے، ہمارے پاس بھی تم سے کہنے کے لئے بہت کچھ ہے۔ شاعر دوسرے مصرعے میں خواہش کرتا ہے کہ اے میرے محبوب کاش تم ہم سے پوچھو کہ ہماری خواہش ہمارا مقصد کیا ہے۔ ہمارے پاس بھی بہت غم اور شکایتوں کا انبار لگا ہوا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

یارا گر پوچھے تو کیجے کچھ عرض
بات پر بات کہی جاتی ہے

شعر نمبر 3:

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
سبزہ و گل	پھول اور پودے، تمام ہری چیزیں	ابر	بادل

مرکزی خیال:

کائنات کے سربستہ رازوں میں انسانی عقل ماورا ہے۔

تشریح:

شعر میں غالب کائنات کے سربستہ رازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس زمین کو جس خوبی کے ساتھ بنایا ہماری عقل اس تک پہنچنے سے قاصر ہے پھول اور پودوں کا پیدا ہونا اور ہواؤں اور گھٹاؤں کا چلنا انسانی عقل سے ماورا ہے۔ یہ لفظی اعتبار سے ماورا ہے۔ شعر لفظی اعتبار سے جتنا سادہ ہے معنوی اعتبار سے اتنا ہی پیچیدہ ہے۔ اس شعر میں مرزا غالب فرمارہے ہیں کہ انسانی زندگی میں دنیا کی اہمیت ہر طرف بکھرے ہوئے حسن کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے اور اس کی اس بات کی دعوت دی گئی ہے کہ کائنات کے سربستہ رازوں میں وہ غور و فکر کریں۔ حالانکہ انسانی عقل اسرار قدرت کے فہم سے ماورا ہے۔

شعر نمبر 4:

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا

اور درویش کی صدا کیا ہے؟

JOIN FOR MORE!!

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
درویش	فقیر	صدا	آواز

مرکزی خیال:

لوگوں کے ساتھ بھلا کرو تا کہ تمہارے ساتھ بھلا کیا جائے۔

تشریح:

غالب اس شعر میں اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر تو میرا بھلا کرے گا تو خدا بھی تجھے اس کا اجر عظیم دیگا اور دوسرے مصرعے میں غالب خود کو فقیر بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ بس ایک درویش کا تجھ سے یہی سوال ہے، تو میری جھولی عشق سے بھر دے اور مجھ پر رحم فرما، تو خدا بھی تجھے اس کا بہترین صلہ دیگا۔ اس شعر میں غالب یہ پیغام دے رہے ہیں کہ اگر آپ دوسروں کے ساتھ بھلائی کریں گے۔ تو لوگ آپ کے ساتھ بھلائی کریں گے۔ یہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کو پھیلایا جائے وہ لوٹ کر آپ تک پہنچ جاتی ہے۔ لہذا شاعر کہتے ہیں کہ بھلا کرو تا کہ تمہارے ساتھ بھلا کیا جائے

مماثل شعر:

مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لئے جیئے

زندہ ہے وہ جو مر گیا ہے غیر کے لئے

شعرنمبر5:

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
مُفت ہاتھ آئے	مفت میں مل جائے

مرکزی خیال:

دنیا میں کوئی بھی چیز مفت ملنے میں کوئی بُرائی نہیں

فنی خوبی:

مقطع (غزل کا آخری شعر)

تشریح:

یہ شعر غزل کا مقطع ہے۔ اس میں شاعر کہتا ہے کہ دنیا میں جو کوئی بھی چیز تمہیں مفت ملے اسے لے لو اور وہ محبوب سے بھی یہی کہنا چاہتا ہے کہ ویسے تو میں کچھ بھی نہیں ہوں، میری کوئی اہمیت نہیں ہے، لیکن جب تمہیں مفت میں مل رہا ہوں تو کیا برائی ہے اور ٹھکرانے سے کیا فائدہ ہے۔ دوسرا معنی اس شعر میں غالب اپنی شاعری کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ میری کوئی حیثیت یا اوقات نہیں جس کی وجہ سے میں اپنے دام وصول کروں۔ مگر میں اتنا بھی گیا گزرا نہیں کہ لوگ مجھے مفت بھی قبول نہ کریں۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

دل ان کو مفت دینے میں دشمن کو رشک کیوں
ہم اپنا مال دیتے ہیں اس میں کسی کو کیا

غزل۔2

شعرنمبر01:

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
سنگ وخشت	اینٹ پتھر

فنی خوبی:

مطلع (غزل کا پہلا شعر)

مرکزی خیال:

عاشق ضبط گریہ نہیں کر پا رہا، اور محبوب کے ظلم وستم کا بیان

تشریح:

مرزا غالب اپنی شہرہ آفاق غزل کے مطلع میں فرما رہے ہیں کہ ہمارے دل کوئی اینٹ پتھر تو نہیں کہ کوئی ستائے جائے اور یہ برداشت کرتا رہے۔ اب ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہم روئیں گے اور ایک بار نہیں ہزار بار روئیں گے۔ کوئی ہمیں کیوں ستائے۔ لگتا ہے کہ معشوق کو رونے سے روکتا ہے اور عاشق ضبط گریہ نہیں کر پا رہا ہے۔ ہم بھی دوسرے انسانوں کی طرح دل رکھتے ہیں۔ لہذا ہمارا محبوب یہ نہ سمجھے کہ وہ ہم پر جتنا ظلم ستم کرتا رہے گا۔ ہم برداشت کرتے رہیں گے۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

ایک دل پتھر بنے اور ایک دل بن جائے موم
آخر اتنا فرق کیوں تقسیم آب وگل میں ہے

شعر نمبر 02:

دَیر نہیں، حرم نہیں در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
دَیر	غیر اسلامی عبادت گاہ

مرکزی خیال:

کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ محبوب کی راہ گزر پر بیٹھنے سے روکے۔

فنی خوبی:

صفت تضاد (دیر، حرم)

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ ہم سرِ راہ بیٹھے ہیں اور ظاہر ہے راستہ کسی کی جاگیر نہیں، ہر شخص استعمال کر سکتا ہے۔ یہ بت خانہ یا کعبہ کا در نہیں کہ کوئی ہمیں وہاں سے نکال دے۔ لہذا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ آ کر ہم سے پوچھے۔ یا ہمیں راہ گزر سے اٹھانے کی کوشش کرے۔ یہ ہمارے محبوب کی راہ گزر ہے۔ کسی کا گھر یا دروازہ نہیں۔ جس پر اس کا حق ہے۔ اور نہ ہی کسی کی دہلیز ہے کہ یہاں سے ہمیں اٹھا دیا جائے۔ لہٰذا رقیب ہمیں یہاں سے اٹھ جانے کے لیے کیوں مجبور کرتا ہے۔

مماثل شعر:

اور وحشت ہے ارادہ میرا
حق ہے صحرا پہ زیادہ میرا

شعر نمبر 03:

جب وہ جمال دل فروز، صورت مہر نیم روز
آپ ہی ہو نظارہ سوز، پردے میں منہ چھپائے کیوں؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مہر نیم روز	آدھے دن کا سورج	نظارہ سوز	جلن، تپش، آنکھوں کو جلانے والا نظارہ

JOIN FOR MORE!!!

مرکزی خیال:

محبوب کی خوبصورتی اور حسن و جمال کا تذکرہ۔

فنی خوبی:

صفت تشبیہ (محبوب کی حسن و جمال کو چمکتے سورج سے تشبیہ)

تشریح:

اس شعر میں شاعر انتہائی خوبصورت انداز سے اپنے محبوب کی خوبصورتی اور حسن و جمال کو ایسے سورج سے تشبیہ دے رہے ہیں جو نیم روز یعنی اگلے دن کا ہو جس طرح دوپہر کے وقت سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوتا ہے تو کسی کی آنکھوں میں اتنی مجال نہیں ہوتی کہ وہ سورج کو آنکھ بھر کے دیکھ سکے بالکل اسی طرح غالب کہتے ہیں کہ میرا محبوب بھی ہو چمکتے ہوئے سورج کی مانند ہیں لہذا اسے اپنے منہ کو پردہ سے چھپانے یا نقاب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اگر بے نقاب بھی ہوگا تو کسی میں اتنی تاب نہیں کہ وہ اسے آنکھ بھر کر دیکھ سکے۔

مماثل شعر:

میری حیرت کی قسم آپ اٹھائیں جو نقاب
میرا ذمہ ہے کہ جلوے نہ پریشان ہوں گے

شعر نمبر 04:

قیدِ حیات و بندِ غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں؟

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔ جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔ مشکل الفاظ: قیدِ حیات

مرکزی خیال: حیات کی قید اور بندِ غم دراصل دونوں ایک ہی ہیں۔

فنی خوبی: صنعت تضاد(حیات،موت)

تشریح:

شاعر کہتا ہے کہ حیات کی قید اور بند غم دراصل دونوں ایک ہی ہیں۔دونوں میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔جو آدمی زندگی کی قید میں ہے وہ ہمیشہ مصائب وآلام میں مبتلا رہتا ہے اور جو شخص مشکلوں میں گرفتار ہے وہ بھی رنج وغم میں پھنسا رہتا ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ جب تک انسان زندہ ہے اس کو غم سے نجات نہیں مل سکتی۔اور جب موت آئے گی تو غم بھی نہیں رہے گا۔

مماثل شعر:

غم اگرچہ جاں گسل ہے، پہ بچیں کہاں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روزگار ہوتا

JOIN
FOR
MORE!!!

شعر نمبر 05:

غالب خستہ کے بغیر، کون سے کام بند ہیں؟
روئیے زار زار کیا؟ کیجئے ہائے ہائے کیوں

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر مرزا غالب کی غزل سے لیا گیا ہے۔جو کہ اردو کے پہلے فلسفی شاعر ہیں۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
خستہ	ٹوٹا ہوا

مرکزی خیال:

محبوب کے مرجانے پر عاشق پر قیامت گزرتی ہے۔

فنی خوبی: مقطع (غزل کا آخری شعر)

تشریح:

غزل کے آخری شعر میں جیسے غالب مر گئے ہیں۔احباب غم میں زار زار رو رہے ہیں اور سینے پیٹ کر ہائے ہائے کر رہے ہیں اب ان احباب کو تسکین دینے کے لیے کہا جاتا ہے کہ غالب کی ذات سے تو کچھ خاص فائدہ نہ تھا اور اس کے مرجانے سے تمہارے کون سے کام بند ہو جاتے ہیں لہذا تم اس طرح ہائے ہائے کر کے زار زار کیوں رو رہے ہو۔

مماثل شعر:

ہونے سے میرے فرق بھی پڑتا بھلا تھا کیا
میں آج نہ جاگا تو سویرا ہوا نہ کیا

داغ دہلوی

شعرنمبر1:

اب دل ہے مقام بے کسی کا
یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر داغ دہلوی کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو "بلبل ہندوستان" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
بے کسی	بے سہارا

مرکزی خیال:

محبوب سے جدائی کی وجہ سے محبت میں تباہی اور بربادی کا بیان۔

فنی خوبی: مطلع (غزل کا پہلا شعر)

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے دل کی حالت کو بیان کر رہے ہیں۔داغ دہلوی اس شعر میں فرما رہے ہیں۔ کہ میرا دل محبت میں ناکامی اور میرے محبوب سے جدائی کی وجہ سے بالکل اجڑ چکا ہے، ویران ہو چکا ہے، محبت نے مجھے برباد کر دیا جب تک میرا محبوب میرے دل میں بسا ہوا تھا تو میرا دل روشن چراغ کی مانند پُر رونق تھا اب میرا محبوب اس گھر کو چھوڑ کر چلا گیا ہے۔تو یہ گھر ویران سا ہو گیا ہے۔اس سے بڑی پریشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔اس سے بڑی پریشانی اور کیا ہو سکتی ہے۔وہ اللہ سے دُعا کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ اے اللہ میری دعا ہے کہ کوئی اس طرح محبت میں تباہ اور برباد نہ ہو اور میری طرح دکھ میں گرفتار نہ ہو۔

مماثل شعر:

ہمارے گھر کی دیواروں پہ ناصر
اداسی بال کھولے سو رہی ہے

شعرنمبر2:

اتنی ہی تو بس کثر ہے تم میں
کہنا نہیں مانتے کسی کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر داغ دہلوی کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو "بلبل ہندوستان" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
کثر	کمی

JOIN FOR MOREW

مرکزی خیال:

محبوب سے گلہ شکوہ کہ وہ خودسر ہے کسی کی بات نہیں مانتا۔

تشریح:

اس شعر میں داغ دہلوی اپنے محبوب سے مخاطب ہیں کہ آپ میں تمام خوبیاں موجود ہیں اور اپنے محبوب سے شکوہ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ تم میں بس ایک کمی ہے کہ تم کسی کا کہنا نہیں مانتے۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ شاعر نے اپنے محبوب کی صرف ایک کمی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور بین السطور یہ بات بھی تسلیم کی ہے کہ ان کا محبوب بے شمار خوبیوں کا مالک ہے۔ لیکن بس ایک کمی ہے کہ وہ خودسر ہے۔ اور میری بات نہیں مانتا۔

مماثل شعر:

ساری دنیا کا مانگتے ہیں کہا
صرف میرا کہا نہیں کرتے

شعر نمبر 3:

جو دم ہے وہ ہے بسا غنیمت
سارا سودا ہے جیتے جی کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر داغ دہلوی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو "بلبل ہندوستان" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
غنیمت	قابل قدر

مرکزی خیال:

زندگی کو بہترین طریقے اور سلیقے سے گزاریں۔ تاکہ ہمیں شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر زندگی کی بے ثباتی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ اور داغ دہلوی فرماتے ہیں کہ زندگی ہے تو سب کچھ ہے زندگی نہیں تو کچھ بھی نہیں اس لئے زندگی کے جو پل باقی ہیں۔ جو وقت بچا ہے۔ اسے غنیمت سمجھیں۔ کیونکہ ہمارے پاس صرف اتنی ہی مہلت ہے، جس قدر سانسیں باقی ہیں۔ اس کے بعد ہم کچھ بھی نہیں کرنے کے قابل نہیں رہیں گے، اس لیے ہمارے پاس جو وقت ہے اسے غنیمت جانتے ہوئے اپنی زندگی کو بہترین طریقے اور سلیقے سے گزاریں۔ تاکہ ہمیں شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ زندگی کے ختم ہوتے ہی سب کچھ اچھا یا برا سب ساتھ ہی میں ختم ہو جائے گا۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

متاع و مال جو لے جائے تو غنیمت ہے
وہ اپنی جان بچا لائے تو غنیمت ہے

شعر نمبر 4:

آغاز کو کون پوچھتا ہے
انجام اچھا ہو آدمی کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر داغ دہلوی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو "بلبل ہندوستان" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
آغاز	ابتدا	انجام	اختتام

مرکزی خیال:

ہمیں وقتی ناکامیوں کی وجہ سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔

فنی خوبی: صفت تضاد (آغاز۔انجام)

تشریح:

اس شعر میں شاعر انسانی زندگی کا آغاز اور انجام یعنی پیدائش اور موت دونوں کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی کے سفر میں اس کے آغاز کے بارے میں کوئی نہیں پوچھتا کہ اس نے یہ سفر کس طرح اور کن حالات میں شروع کیا تھا۔ لیکن جب کوئی انسان اپنی قابلیت جدوجہد اور کوششوں سے کامیاب ہو جاتا ہے اور کسی منزل پر پہنچتا ہے، تو یہ کامیابی کی پہچان بن جاتی ہے اور سب اسے یاد رکھتے ہیں۔ اس لیے ہمیں وقتی ناکامیوں کی وجہ سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اپنی جدوجہد جاری رکھتے ہوئے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس شعر میں اُمید اور رجائیت کا تذکرہ ہے اور نا اُمیدی سے اجتناب کرنے کو کہا گیا ہے۔

مماثل شعر:

ہم بزم میں ان کی چپکے بیٹھے
منہ دیکھتے ہیں ہر آدمی کا

شعر نمبر 5:

ایسے کہے جو داغ نے نباہی
سچ ہے کہ یہ کام تھا اسی کا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر داغ دہلوی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو "بلبل ہندوستان" کہا جاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
نباہی	وفاداری کی

مرکزی خیال:

جفا کار محبوب کے ساتھ محبت نبھانا بہت ہی مشکل کام ہے

فنی خوبی: مقطع (غزل کا آخری شعر)

تشریح:

اس شعر میں شاعر داغ دہلوی اپنی محبت کے تجربات کا نچوڑ بیان کیا۔ اور فرماتے ہیں کہ میرا محبوب ایسا خودسر اور جفا پرور ہے، کہ اس نے کبھی میری محبت کو تسلیم نہیں کیا حالاں کہ میں نے اپنے آپ کو محبوب کے سپرد کیا ہوا تھا۔ میں نے محبوب کیلئے جو قربانیاں دی ہیں وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ اور میرے ساتھ ہمیشہ غیروں جیسا سلوک کیا۔ لیکن اب ایسے محبوب کے ساتھ محبت نبھانا جس قدر مشکل کام ہے، وہ بس میرے ہی بس میں تھا۔ اور میری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کے ساتھ کبھی محبت نہ نبھاتا۔ اور ناکام ہو جاتا۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

حسن کا عشق سے نباہ نہیں
ایک کو دوسرے کی چاہ نہیں

حسرت موہانی

شعر نمبر 1:

اپنا سا شوق اوروں میں لائیں کہاں سے ہم
گھبرا گئے ہیں بے دلی ہم زباں سے ہم

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ کو "غزل کا مسیحا" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
بے دلی	بے وفائی

مرکزی خیال:

ساتھیوں کی بے دلی اور عدم توجہ کا شکوہ کا اظہار

فنی خوبی: مطلع (غزل کا پہلا شعر)

تشریح:

اس شعر میں حسرت موہانی محبوب کی بیزاری کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمارے اندر جو محبت کا جذبہ موجزن ہے۔ایسا جذبہ،ایسا شوق ہم اوروں میں کیسے پیدا کریں انہیں کر سکتے۔لہذا ہم اپنے ہم زبان،اپنے محبوب کی بے دلی،سرد مہری سے گھبرا گئے ہیں کیونکہ وہ ہمارے شوق کے برعکس بے دلی سے کام لے رہا ہے۔حسرت موہانی بیک وقت شاعر اور تحریک آزادی کے سرگرم مجاہد تھے۔ان کی شاعری میں سیاسی شعور بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔یہ شعر تحریک آزادی پس منظر دیکھا جاسکتا ہے۔یہاں شاعر منزل یعنی آزادی کے حصول کی جدوجہد کے دوران آنے والی مشکلات کے سبب اپنے ہمراہیوں اور ساتھیوں کی بے دلی اور عدم توجہ کا شکوہ کر رہے ہیں۔شاعر کہتے ہیں کہ میں تو آزادی کے حصول کے لیے پورے جوش وخروش سے جدوجہد کر رہا ہوں۔اور اس کی راہ میں آنے والی تکالیف کا سامنا بھی خنداں پیشانی سے کر رہا ہوں۔لیکن میں اپنے ساتھیوں اور ہمراہیوں کی بے دلی سے گھبرا گیا ہوں کہ اس منزل کا حصول کسی ایک کے بس کی بات نہیں۔

مماثل شعر:

یہ ادائے بے نیازی تجھے بے وفا مبارک
مگر ایسی بے رخی کیا، کہ سلام تک نہ پہنچے

شعر نمبر2:

معلوم سب ہے پوچھتے ہو پھر بھی مدعا
اب تم سے دل کی بات کہیں کیا زباں سے ہم

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو "غزل کا مسیحا" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
مدعا	مقصد،معاملہ

مرکزی خیال:

محبوب کی بے توجہی اور تغافل کا بیان

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کی بے توجہی، بے نیازی اور تغافل پر شکوہ کر رہے ہیں۔کہ میرا محبوب میرے حال دل اور محبت سے واقف ہے۔لیکن اس کے باوجود وہ انجان بنتے ہوئے میری بے چینی اور بے قراری کا سبب دریافت کر رہے ہیں۔ایسے میں شاعر حیران اور پریشان ہیں کہ آخر انہیں اپنی بے چینی اور بے قراری کی وجہ بیان کریں، جب کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے دل میں کیا ہے۔اس شعر میں تجاہل عارفانہ کا ذکر ہے یعنی جان بوجھ کر انجان بننا۔

مماثل شعر:

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں
کاش پوچھو، کہ مدعا کیا ہے؟

شعر نمبر3:

مایوس بھی تو کرتے نہیں تم زراہِ ناز
تنگ آگئے ہیں کشمکشِ امتحاں سے ہم

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو "غزل کا مسیحا" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
کشمکشِ	پریشان
ناز	نخرہ

مرکزی خیال:

شاعر کی تذبذبانہ کیفیت کا بیان۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کی روش سے پریشان ہیں۔اور کہتے ہیں کہ میں تمہارے اس رویے سے تنگ آچکا ہوں کہ آپ نہ تو محبت کا دم بھرتے ہو۔اور نہ ہی بے وفائی اختیار کرتے ہو۔ایسے میں شاعر تذبذب کیفیت میں ہیں کہ پتہ نہیں ان کا یہ امتحان کب تک چلے گا۔کیونکہ میں جب بھی اپنے محبوب کے تغافل کی وجہ سے ان کی طرف سے مایوس ہوا تو پھر تمھاری طرف سے ایسا اشارہ ہو جاتا ہے کہ میری مایوسی امید میں بدل جاتی ہے۔مگر اس کے بعد تم پھر وہی رویہ اختیار کر لیتے ہو جس نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔آپ کے اس طرز نے ہمیں امتحان میں مبتلا کر دیا ہے جواب ہمارے بس میں نہیں ہمارے اختیار میں نہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

یہ طرفہ ستم دیکھو مرنے بھی نہیں دیتے
رہ رہ نہ وہ دیتے ہیں آنچل کی ہوا مجھ کو

شعر نمبر 4:

ہے اِنتہائے یاس بھی اک ابتدائے شوق
پھر آ گئے وہیں، چلے تھے جہاں سے ہم

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو "غزل کا مسیحا" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
انتہائے یاس	اِنتہائی ناامید
ابتدائے شوق	شوق کی ابتدا

فنی خوبی: صفت تضاد(اِنتہائے،ابتدائے)

مرکزی خیال:

محبت کی منازل میں انسانی نفسیاتی کیفیت کا بیان۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر نے انسانی نفسیاتی کیفیت کو نمایاں کیا ہے کہ مایوسی کی انتہا اور شوق کی ابتدا میں کوئی فرق نہیں جب انسان کے پاس کھونے کو کچھ نہ ہو یا وہ مایوسی کی انتہا پر پہنچ جائے تو وہ بے خوف اور نڈر ہو جاتا ہے۔اور اس میں نیا جوش و جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔یہاں شاعر یہی بتا رہے ہیں کہ جب میں نے محبت کا آغاز کیا اور اس راہ میں آنے والی مشکلات اور پریشانیوں سے مایوسی کی انتہا پر پہنچ گیا۔اور جب تمام راستے بند ہو گئے تو میں نے پھر سے محبت کو آزمانے کا فیصلہ کیا کیونکہ مسلسل ناکامی سے میں دوبارہ نقاب ہونے کا خوف ختم ہو گیا ہے۔اس لئے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں پھر محبت کی اس منزل پر پہنچ چکا ہوں۔جہاں سے میں نے آغاز کیا تھا۔لہٰذا اگر تم عشق میں مایوس ہو گئے تو اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

ایک اور دریا کا سامنا تھا منیر مجھ کو
میں ایک دریا کے پار اترا تو میں نے دیکھا

شعر نمبر5:

حسرت پھر اور جا کے کریں کسی کی بندگی
اچھا، جو سر اُٹھائیں بھی اس آستاں سے ہم

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر حسرت موہانی کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ کو "غزل کا مسیحا" کہا جاتا ہے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
بندگی	عبادت
آستاں	چوکھٹ،دروازہ

مرکزی خیال:

محبوب کی چوکھٹ کی قدر و قیمت کا بیان۔

فنی خوبی: مقطع (غزل کا آخری شعر)

تشریح:

غزل کے آخری شعر یعنی مقطع میں شاعر محبوب کی چوکھٹ کی قدر و قیمت بیان کرتا ہوا کہتا ہے کہ چلیں اس کے آستانے، اس کی چوکھٹ سے ہم اپنا سر اٹھا بھی لیں تو حسرت اس سے بڑھ کر یا اس کی برابری کا دوسرا کون ہے جس کی ہم بندگی کریں۔ اسے جا کر سجدہ کریں۔ گویا کوئی نہیں ہے۔ یہ شعر محبوب حقیقی کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے۔ اس شعر میں شاعر اللہ تعالی کی محبت اور بندگی کے خمار میں نظر آتے ہیں۔ شاعر کہتے ہیں کہ اللہ کے دربار میں بھی میری دعا کو شرف قبولیت حاصل نہیں ہو رہا لیکن ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ کیونکہ خدا کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ہماری فریاد کو سن سکے اور ہماری مدد کر سکے اس لیے میں تو خدا کے حضور سر بسجود ہوں اور مجھے یقین ہے کہ میری فریاد ضرور سنے گا۔ اور میری تکالیف کو دور کرے گا۔ اس شعر کو عشق حقیقی کی طرف منسوب کرنا زیادہ بہتر ہے۔

احمد فراز

شعر نمبر 1:

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا
وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر احمد فراز (سید احمد شاہ) کی غزل سے لیا گیا ہے۔ آپ منفرد لب و لہجہ کا رومانی و انقلابی شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
نبھانے والا	انجام کو پہنچنے والا، بسر کرنے والا

مرکزی خیال:

محبوب کی جفا کاری اور رویے پر گلہ شکوہ۔

فنی خوبی: مطلع (غزل کا آخری شعر)

تشریح:

اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کے رویے پر شکوہ کناں ہے اور اپنے محبوب کی عدم توجہی کا شکوہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرا محبوب ایسا جفا کار ہے کہ مجھ سے محبت اور دوستی کا دم بھرنے کے باوجود مجھ سے دور دور رہتا ہے۔ اور ایسا رویہ اختیار کرتا ہے کہ جیسے مجھ سے شناسائی ہی نہ ہو۔ اور اس کا انداز بالکل زمانے والا ہے۔ جب کہ فطری طور پر دوست ہر مشکل وقت میں ساتھ دینے والا ہوتا ہے۔ جبکہ میرے محبوب کا انداز بالکل غیروں جیسا ہے اور دوستی کا دعوی کرنے کے باوجود زمانے کی روش پر چل رہا ہے۔ لہٰذا مجھے اس میں اور دوسروں میں کوئی خاص فرق دکھائی نہیں دیتا۔

مماثل شعر:

تیرے ہوتے ہوئے آجاتی تھی ساری دنیا
آج تنہا ہوں تو کوئی نہیں آنے والا

شعرنمبر2:

اب اسے لوگ سمجھتے ہیں گرفتار میرا
سخت نادم ہے مجھے دام میں لانے والا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر احمد فراز (سید احمد شاہ) کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ منفرد لب ولہجہ کا رومانی وانقلابی شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
نادم	شرمندہ	دام	جال

مرکزی خیال:

محبت کے جال میں پھنسانے پر شرمندگی میں مبتلا ہونے کا تذکرہ۔

تشریح:

یہ شعر احمد فراز کی مضمون آفرینی کا خوب صورت نمونہ ہے اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ یوں تو میرے محبوب مجھے اپنی محبت کے جال میں گرفتار کر لیا تھا۔اور مجھ پر ظلم وستم روا رکھتا تھا۔لیکن میری محبت کے سلیقے اور مستقل مزاجی نے اسے سخت ندامت اور شرمندگی میں مبتلا کر دیا ہے۔کیونکہ اب لوگ مجھے اس کی محبت کا گرفتار سمجھنے کے بجائے اسے میرا گرفتار سمجھتے ہیں۔یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔اس لیے اب میرا محبوب نادم ہے،اور شرمندگی کا شکار ہے۔کہ اس نے کیوں مجھے اپنی محبت کے جال میں پھنسایا۔جب اس کی سمجھ میں یہ بات آگئی تو وہ اپنے کیئے پر سخت شرمندہ ہے۔

مماثل شعر:

مجھے تو قید محبت عزیز تھی لیکن
کسی نے مجھ کو گرفتار کر کے چھوڑ دیا

شعرنمبر3:

کیا کہیں کتنے مراسم تھے ہمارے اس سے
وہ جو اک شخص ہے منہ پھیر کے جانے والا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر احمد فراز (سید احمد شاہ) کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ منفرد لب ولہجہ کا رومانی وانقلابی شاعر تھے۔

JOIN FOR MORE!!!

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
مراسم	تعلقات

مرکزی خیال:

محبوب کے عہدو پیماں اور ساتھ نبھانے والے وعدوں پر افسوس کا اظہار۔

تشریح:

اس شعر میں شاعر کہتے ہیں کہ آج میرا محبوب مجھ سے ناراض ہو کر مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔لیکن میں حیرت میں ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہم نے تو اپنی ساری زندگی اُس کے نام کر دی لیکن اُس نے فوراً ہی ہم سے منہ موڑ لیا کیونکہ اگر میں دنیا والوں کو اپنی محبت اور اپنے محبوب کے عہدو پیماں اور ساتھ نبھانے والے وعدوں اور تعلق کے بارے میں بتاؤں تو وہ حیران رہ جائیں اور اس کے اس رویے پر افسوس کا اظہار کریں لیکن اُس نے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ اُس سے ہمارا کس کس انداز کا تعلق تھا۔

JOIN FOR MORE!!!

مماثل شعر:

صحبتِ دم چھوڑ گیا نکہتِ گل کی صورت
رات کو غنچہء دل میں سمٹ آنے والا

شعر نمبر4:

میں نے دیکھا ہے بہاروں میں چمن کو جلتے
ہے کوئی خواب کی تعبیر بتانے والا

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر احمد فراز (سید احمد شاہ) کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ منفرد لب ولہجہ کا رومانی وانقلابی شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی
چمن	باغ

مرکزی خیال:

محبت کے عروج پر شاعر کے خوف زدہ ہونے کا بیان۔

تشریح:

یہ شعر اس غزل کا سب سے بہترین شعر ہے۔اسے اصطلاح میں بیت الغزل بھی کہتے ہیں۔اس شعر میں شاعر اپنے ایک خواب سے خوفزدہ نظر آتے ہیں،اور کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں بہاروں کے موسم میں پھولوں سے لدے باغ کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھا ہے۔کوئی ہے جو مجھے اس بات کی تعبیر بتائیں شاعر کے خوف زدہ

ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ وہ محبت کے عروج پر ہے۔اس خواب کے بعد خوفزدہ ہے کہ جس طرح پھولوں کا باغ جل رہا ہے میری محبت کا انجام بھی اس باغ کی طرح نہ ہو جائے۔شاعر اس شعر میں بہار میں چمن کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔اس لئے وہ اس خواب کی صحیح تعبیر کا متلاشی ہے۔

مماثل شعر:

صبح تعبیر مل گئی مجھ کو
خواب دیکھے تھے رات بھر میں نے

شعر نمبر 5:

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ شاعر:

پیش نظر شعر احمد فراز (سید احمد شاہ) کی غزل سے لیا گیا ہے۔آپ منفرد لب ولہجہ کا رومانی وانقلابی شاعر تھے۔

مشکل الفاظ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خلاص	نیک نیت	تکلف	بناوٹ

مرکزی خیال:

ہر ہاتھ ملانے والا شخص دوست نہیں ہوتا۔

تشریح:

احمد فراز کا یہ شعر ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔اس شعر میں شاعر اپنی سادہ دلی کو بیان کر رہے ہیں کہ وہ ہر ہاتھ ملانے والے یا سرسری تعلق رکھنے والے کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور اس اس سلسلے میں ہمیشہ نقصان اٹھاتے ہیں۔کیونکہ یہ آج کے زمانے کا دستور بن گیا ہے۔کہ لوگ دوست بن کر دشمنی نبھاتے ہیں ایسے میں ہر ہاتھ ملانے والے کو دوست سمجھنا اچھی بات نہیں۔کیونکہ ہر ہاتھ ملانے والا شخص دوست نہیں ہوتا۔

مماثل شعر:

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

اقتباسات کی تشریح

قومی اتفاق

تعارف مصنف:

سید احمد بن متقی خان (17 اکتوبر 1817ء–27 مارچ 1898ء) المعروف سرسید احمد خان جدید اردو کے پہلے نثر نگار، مصلح قوم تھے۔ آپ کو دو قومی نظریہ کا خالق تصور کیا جاتا ہے۔ جو کہ آگے چل کر تحریک پاکستان کی بنیاد بنی۔ آپ تحریک علی گڑھ کے بانی ہیں آپ نے قوم کی اصلاح کے لئے تہذیب الاخلاق جاری کیا۔

سیاق سباق:

قومی اتفاق مصنف کا ایک اصلاحی مضمون ہے۔ جس میں وہ مسلمانوں کو بحیثیت قوم اتفاق اور اتحاد کی دعوت دے رہے ہیں کہ اس زمانے میں ہمارے قومی تنزل کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم قومی اتفاق بھول گئے ہیں کسی کو کو بجز ذاتی منفعت کے قومی بھلائی اور قومی مفاد کا خیال بھی نہیں آتا اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اس کو پہلے اپنی ذاتی غرض مدنظر ہوتی ہے اور قومی بھلائی کے پردے سے اس کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی جب قوم کا ہر فرد دل وجان سے قومی اتفاق کی کوشش میں شریک ہوگا وہ ہمیں اپنے ماضی کی شان حاصل کر سکیں گے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس نمبر 1:

قوم ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی پر کسی قدر غور کرنا لازم ہے۔ زمانہ دراز سے جس کی ابتدائی تاریخی زمانے سے بھی بالاتر ہے قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ سے ہوتا ہے۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

سرسید احمد خان فرماتے ہیں کہ اگر ہم لوگ قوم کا جائزہ لیں اور اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوگا کہ اس لفظ کی تاریخ انتہائی قدیم ہے اور پرانے زمانے میں قوم اس گروہ کو کہا جاتا تھا۔ جس کے تمام لوگ کسی بزرگ کی نسل سے تعلق رکھتے تھے یا کسی ایک خطہ زمین کے باشندے ہوا کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد اس لفظ قوم کے معنی بدل گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفرقے کو جو صرف دنیاوی اعتبار سے تھا مٹا دیا اور ایک روحانی رشتہ قوم قائم کیا، جو ایک جبل متین لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ سے مضبوط تھا۔ تمام قومی سلسلے تمام قومی رشتے، سب کے سب اس روحانی رشتے کے ساتھ نیست و نابود ہو گئے اور ایک نیا روحانی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہو گیا۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ نے فرقوں میں تقسیم اس دنیا کو ایک ایسے رشتے میں باندھ دیا جو ایک نہایت مضبوط رسے کی مانند تھا۔

اقتباس نمبر 2:

اسلام کسی سے نہیں پوچھتا کہ وہ ترک ہے یا تاجیک وہ افریقہ کا رہنے والا ہے یا عرب کا وہ چین کا باشندہ ہے یا ماچین کا وہ پنجاب میں پیدا ہوا ہے یا ہندوستان میں وہ کالے رنگ کا ہے یا گورے رنگ کا بلکہ جس کسی نے العروۃ الوثقیٰ توحید کی مضبوط رسی کلمہ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک قوم ہو گیا۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

اسلام کے نزدیک سب انسان برابر ہیں یہ دین کسی سے نہیں پوچھتا کہ اس کی ذات کیا ہے؟ اس کا ملک کیا ہے؟ اس کی قوم کیا ہے؟ وہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ عرب کا ہے، چینی، پنجابی ہے یا ہندوستانی؟ اس کی نسل کیا ہے؟ اس کا رنگ کیسا ہے؟ بلکہ اسلام تو یہ دیکھتا ہے کہ جس نے اسلام کے پہلے رکن کلمہ طیبہ کو اختیار کیا وہ خدائی قوم میں آ گیا۔ جس کسی نے کلمہ توحید کو مستحکم کیا، وہ ایک قوم ہو گیا، اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ: بے شک مومنین بھائی بھائی ہیں اور اپنے بھائیوں کے درمیان مصالحت کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ شاید کہ اللہ کی طرف سے تم پر رحم کیا جائے۔

اقتباس نمبر 3:

مجھے اس بات کے دیکھنے سے نہایت افسوس ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی تو ہیں مگر مثل برادران یوسف کے ہیں آپس میں دوستی اور محبت یک دلی اور یکجہتی بہت کم ہیں حسد بغض وعداوت کا ہر جگہ اثر پایا جاتا ہے جس کا نتیجہ آپس کی نا اتفاقی ہے۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

مگر میں جب اپنی قوم کی حالت دیکھتا ہوں تو نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم سب بھائی تو ہیں مگر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں جیسے جو اپنے بھائی کو نقصان پہنچانے میں لگے رہتے ہیں۔ ظاہر میں تو ہم میں بھی بھائی چارہ دکھائی دیتا ہے مگر اندر ہی اندر ہم سب ایک دوسرے کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں حقیقی محبت۔ دوستی اور اتحاد ہم میں ناپید ہے۔ ہم سب لوگ ایک دوسرے کے خلاف دشمنی کا بیج اپنے دلوں میں بوتے رہتے ہیں ایک دوسرے سے حسد کرنا ہمارے طرز عمل کا حصہ ہے۔ اور ان تمام باتوں کے نتیجے میں ہم سب ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اور اب میں نا اتفاقی بڑھتی جا رہی ہے۔ شیطان جس نے خدا سے وعدہ کیا کہ میں ضرور ان کو تیری صراط مستقیم سے ہٹا کر رہوں گا۔

وہ بظاہر ایک مقدس اور نورانی حیلے سے ان روحانی بھائیوں میں نفاق ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے

جس نے لا الہ الا اللہ کہا کہ وہ مسلمان ہے

اقتباس نمبر 4:

اتفاق کے قائم رکھنے کی جس کی ہم کو ضرورت ہے ایک اور عقلی و نقلی راہ ہیں۔ جس کی پیروی قومی اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہے۔ انسان جب اپنی ہستی پر نظر ڈالے گا۔ تو اپنے میں دو حصے پائے گا۔ ایک حصہ خدا کا، اور ایک حصہ اپنے ابنائے جنس کا۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

اتفاق ایک ایسا جذبہ ہے جو زندگی کو اپنے معاشرے سے جوڑے رکھتا ہے۔ اور اسی کے ذریعے قومی اتحاد جنم لیتا ہے۔ انسان جب اپنے اوپر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے اپنی ذات میں دو حصے دکھائی دیتے ہیں ایک حصہ خدا کا، اور دوسرا دنیاداری کا، جسے آپ خدا کا حصہ کہتے ہیں وہ اس کا دل یا اس کا عقیدہ ہوتا ہے۔ جسے آپ مذہب بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ وہ حصہ ہوتا ہے، جس میں خدا کے علاوہ کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کی ذات میں موجود بھلائی اور برائی کا معاملہ اس میں اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ صرف اور صرف انسان کی اپنی ذات کا حوالہ ہوتا ہے۔ جس میں دوست احباب بھائی بہن تک شریک نہیں ہوتے۔ جو حصہ انسان میں اس کے ابنائے جنس کا ہے اس سے ہم کو غرض رکھنی چاہیے۔ اور وہ حصہ آپس کی محبت باہمی دوستی ایک دوسرے کی ہمدردی ہے۔ جس کے مجموعے کا نام قومی ہمدردی ہے۔

اقتباس نمبر5:

نہایت افسوس اور نادانی کی بات ہے کہ ہم کسی سے ایسے امر میں عداوت رکھیں جس کا اثر خود اسی تک محدود ہے اور ہم کو اس سے کچھ بھی ضرر و نقصان نہیں۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

اگر جائزہ لیا جائے تو بآسانی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسی بھی ایسی بات کے حوالے سے اپنے بھائی سے دشمنی رکھنا نہایت بری بات ہے۔ جو صرف اس کی ذات تک محدود ہو اور کسی اور کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا لہذا ہمیں اس انسان کی ذات کے صرف اس حصے سے مطلب رکھنا چاہیے جو دنیاداری سے متعلق ہے کیونکہ وہ حصہ انسانی ہمدردی محبت اور ایک دوسرے کی مدد سے تعلق رکھتا ہے۔

اقتباس نمبر6:

اس زمانے میں جو سب سے بڑا سبب ہماری قوم کے تنزل کا ہے وہ یہی ہے کہ ہم میں قومی اتفاق کا خیال نسیا منسیا ہو گیا ہے کسی کو بہ جز ذاتی منفعت کے قومی بھلائی یا قومی منفعت کا خیال بھی نہیں آتا۔

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

آج کے عہد میں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں سے قومی ہمدردی اور ترقی کا خیال مٹ گیا ہے۔ اور ہر شخص قومی مفاد یا نقصان سے آنکھیں بند کیے اپنے مفاد کے حصول کی کوشش میں مصروف ہے۔ اور وہ ہر وہ دلیل پیش کر کے اپنے فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے، جس کے ذریعے لوگوں کی توجہ قومی ہمدردی کے جذبے کی طرف سے ہٹائی جا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی اور ہم قومی ترقی کے راستے سے بھٹک کر پستی اور زوال کے گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں۔

سوال نمبر4: درج ذیل جملوں کی وضاحت کیجیے۔

(الف) ہم میں قومی اتفاق خیال نسیا منسیا ہو گیا ہے۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

آج کے عہد میں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے دلوں سے قومی ہمدردی اور ترقی کا خیال مٹ گیا ہے۔ اور ہر شخص قومی مفاد یا نقصان سے آنکھیں بند کیے اپنے مفاد کے حصول کی کوشش میں مصروف ہے۔ اور وہ ہر وہ دلیل پیش کر کے اپنے فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے، جس کے ذریعے لوگوں کی توجہ قومی ہمدردی کے جذبے کی طرف سے ہٹائی جا سکے۔

(ب) جس کسی نے العروۃ الوثقیٰ کلمہ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک قوم بن گیا

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

جس کسی نے کلمہ توحید کو مستحکم اور مضبوط کیا، وہ ایک قوم ہو گیا، بلکہ اسلام تو یہ دیکھتا ہے کہ جس نے اسلام کے پہلے رکن کلمہ طیبہ کو اختیار کیا وہ خدائی قوم میں آ گیا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ بیشک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اپنے بھائیوں کے مابین صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ تو جب خدا یہ بات سنا رہا ہے تو ہم میں سے کون اس بات سے انکار کر سکتا ہے۔ کہ دو بھائی ایک باپ کی اولاد نہیں ہوتے۔ لہذا جب خدا نے سب مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تو پھر بحیثیت قوم سب لوگوں کا ایک روحانی باپ کی اولاد بن جانا لازمی ہے۔

(ج) ہم سب آپس کی محبت سے اس عداوت و نفاق کو یکتائی و یکجہتی سے مبدل کریں۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس سرسید احمد خان کے تحریر کردہ سبق "قومی اتفاق" سے لیا گیا ہے یہ سبق "سرسید احمد خان" کی کتاب "مقالات سرسید" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

ہماری قومی ترقی کا سب سے اول مرحلہ یہ ہے کہ ہم سب آپس کی محبت سے اس عداوت اور نفاق کو یکتائی اور یکجہتی سے مبدل کریں۔ انسان کے بعض امور کا تعلق اس کے اور خدا کے درمیان ہے جیسے انسان کا دل، اعتقاد، مذہب وغیرہ۔ جبکہ بعض امور انسانوں میں مشترک ہیں جیسے آپس کی محبت، دوستی، مدد، ہمدردی وغیرہ جن کو قومی ہمدردی کہتے ہیں۔

اس لیے ہمیں انسان کے ذاتی معاملات کے بجائے مشترک امور سے غرض رکھنی چاہیے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل بھی ہو اور قومی اتفاق اور ہمدردی بھی قائم ہو سکتی ہے۔ یہی قوم کی ترقی کیلئے پہلی منزل ہے۔

JOIN FOR MORE

زبان گویا

تعارف مصنف:

خواجہ الطاف حسین حالی، ہندوستان میں "اردو" کے نامور شاعر اور نقاد گذرے ہیں۔ حالی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا ابھی نو سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، سرسید جس تحریک کے علمبردار تھے حالی اسی کے نقیب تھے۔ سرسید نے اردو نثر کو جو وقار اور اعلیٰ تنقید کے جوہر عطا کیے تھے۔ حالی کے مرصع قلم نے انہیں چمکایا۔

تصانیف:

مسدس حالی، حیات سعدی، حیات جاوید، یادگار غالب، مقدمہ شعر و شاعری

سیاق سباق:

مولانا الطاف حسین حالی نے اس مضمون یعنی زبان گویا کو بلبل ہزار داستان کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ زبان ہماری عزت، ہماری ذلت اور نیک نامی اور بدنامی کا سبب بنتی ہے اس کے جھوٹ اور سچ کے نتیجے میں لاکھوں کے سر کٹے اور کروڑوں کی جانیں بچی ہیں۔ انہوں نے زبان کے بارے میں اللہ پاک سے دعا کی ہے کہ اللہ

پاک میری زبان کوایسی زبان بنانا کہ جب تیرے سامنے آئیں تواس زبان کی وجہ سے مجھے بدنامی نہ اٹھانی پڑھے تا کہ دنیا میں رہے تو سرخرو رہے جب تیرے پاس آئیں تو سرخرو ہو کر آئیں۔

اقتباس نمبر1:

"دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن بنا کر دکھانا تیرا ایک ادنیٰ کھیل ہے، جس کے تماشے سینکڑوں دیکھے، اور ہزاروں دیکھنے باقی ہیں۔"

حوالہ سبق:

پیش نظر اقتباس ہماری اردو کی درسی کتاب زبان گویا جو کہ کلیات نثر حالی سے لیا گیا ہے۔

حوالہ مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس کے مصنف کا نام الطاف حسین حالی ہے جو اردو کے پہلے سوانح نگار اور تنقید نگار ہیں۔

تشریح:

مولانا الطاف حسین حالی نے اس مضمون یعنی زبان گویا کو بلبل ہزار داستان کہا ہے۔ اس اقتباس وہ فرماتے ہیں کہ انسان کی زبان اپنے شیریں بیانی سے ہزار داستان بن کر دلوں کو لبھاتی ہے دلوں پر حکومت کرتی ہے یہ جادوگری ہے۔ دشمن کو دوست بنانا اور دوست کو دشمن بنانا تیرے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے، سینکڑوں کی تعداد میں لوگوں نے تیرے تماشے دیکھے، اور ہزاروں تماشے ابھی دیکھنا باقی ہیں۔ اور بنی ہوئی بات کو بگاڑنا اور بگڑی بات کو سنوارنا، روتے کو ہنسانا اور ہنستے ہوئے کو رلانا یہ زبان کا ہی کرشمہ ہے۔ وہ زبان سے فرماتے ہیں کہ اے زبان! تو دیکھنے میں جسم کا ایک لوتھڑا ہے، گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ مگر تیری طاقت نمونہ قدرت الٰہی ہے۔ بہت سے آرام اور بہت سی تکلیفیں، ہزاروں فائدے، ہزاروں نقصانات اور ہماری عزت ہماری ذلت ہماری نیک نامی ہماری بدنامی ہمارا جھوٹ، ہمارے سچ تیرے ایک ہاں یا ایک نہیں پر موقوف ہے۔

اقتباس نمبر2:

"علم ایک خزانہ غیبی اور دل اس کا خزانچی، حوصلہ اس کا قفل ہے اور تو اس کی کنجی۔ دیکھ اس قفل کو بے اجازت نہ کھول اور اس خزانے کو بے موقع نہ لٹا۔

حوالہ سبق:

پیش نظر اقتباس ہماری اردو کی درسی کتاب زبان گویا جو کہ کلیات نثر حالی سے لیا گیا ہے۔

حوالہ مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس کے مصنف کا نام الطاف حسین حالی ہے جو اردو کے پہلے سوانح نگار اور تنقید نگار ہیں۔

تشریح:

مولانا الطاف حسین حالی نے اس مضمون یعنی زبان گویا کو بلبل ہزار داستان کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ زبان ہماری عزت، ہماری ذلت اور نیک نامی اور بدنامی کا سبب بنتی ہے اس کے جھوٹ اور سچ کے نتیجے میں لاکھوں کے سر کٹے اور کروڑوں کی جانیں بچی ہیں۔ علم ایک غیب کا خزانہ ہے۔ اور دل علم کے خزانے کا خزانچی ہے، حوصلہ اس کا تالا ہے۔ اے زبان! تو اس کی چابی ہے۔ جب تک ضرورت نہ پڑے اس تالے کو مت کھول اور فضول مت بول، اور اس علم کے خزانے کو ضائع مت کر۔ لوگ دل میں جو چھپاتے ہیں وہ تو ظاہر نہ کیا کر، اس سے کیا ہوتا ہے انسان کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔ یہی زبان ہے جس سے انسان کو عزت ملتی ہے اور یہی انسانوں کی بے عزتی کا سبب بنتی ہے۔

اقتباس نمبر3:

"اے زبان اتو دیکھنے میں ایک پارہ گوشت کے سوا کچھ نہیں مگر تیری طاقت نمونہ قدرت الٰہی ہے۔"

حوالہ سبق:

پیش نظر اقتباس ہماری اردو کی درسی کتاب زبان گویا جو کہ کلیات نثر حالی سے لیا گیا ہے۔

حوالہ مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس کے مصنف کا نام الطاف حسین حالی ہے جو اردو کے پہلے سوانح نگار اور تنقید نگار ہیں۔

تشریح:

مولانا الطاف حسین حالی نے اس مضمون یعنی زبان گویا کو بلبل ہزار داستان کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ زبان ہماری عزت، ہماری ذلت اور نیک نامی اور بدنامی کا سبب بنتی ہے اس کے جھوٹ اور سچ کے نتیجے میں لاکھوں کے سر کٹے اور کروڑوں کی جانیں بچی ہیں۔ زبان دیکھنے میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لیکن اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا یہی زبان جو دل کی امین ہے یعنی زبان دل کی باتوں کو ظاہر نہیں ہونے دیتی اور یہی زبان ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ہم کیا سوچ رہے ہیں اور ہمارے جذبات کیا ہیں۔ اسی زبان سے لوگ تقریریں کرتے ہیں نصیحتیں کرتے ہیں بزرگوں کے واقعات بیان کرتے ہیں اور یہی زبان ہے جس سے ہم جھوٹ، غیبت، چغل خوری، تہمت جیسے عیب بھی ظاہر کرتے ہیں۔ تیری طاقت کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس نے اس زبان سے چوٹ کھائی ہو تو دیکھ اس طاقت کو رائیگاں مت کرو اور اس قدرت کو خاک میں نہ ملا۔

اقتباس نمبر4

ہم تیرا کہنا مانیں گے اب میرے قابو میں ہرگز نہ آئیں گے۔ ہم تیری ڈور ڈھیلی نہ چھوڑیں گے اور تجھے مطلق العنان نہ بنائیں گے۔ ہم جان پر کھیلیں گے پر تجھ سے جھوٹ نہ بلوائے گے۔ ہم سر کے بدلے کان نہ کٹوائیں گے۔

حوالہ سبق:

پیش نظر اقتباس ہماری اردو کی درسی کتاب زبان گویا جو کہ کلیات نثر حالی سے لیا گیا ہے۔

حوالہ مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس کے مصنف کا نام الطاف حسین حالی ہے جو اردو کے پہلے سوانح نگار اور تنقید نگار ہیں۔

تشریح:

اس اقتباس میں خواجہ الطاف حسین حالی نے زبان پر قابو پانے کا طریقہ بتایا ہے کہ یہی زبان ہے جس سے انسان کو عزت ملتی ہے اور یہی انسانوں کی بیعزتی کا سبب بنتی ہے اگر انسان کی زبان صحیح ہو تو دشمن کو دوست بھی بنا سکتی ہے اور انسان کی زبان صحیح نہ ہو تو دوست کو دشمن بناتی ہے انسان کی پہچان اس کی زبان سے ہے۔ اس لئے زبان پر قابو پانا بہت ضروری ہے۔ وہ آگے فرماتے ہیں اے زبان جس نے تیرا کہنا مانا جو تیرا حکم بجالایا انہوں نے الزام اٹھائے اور بہت پچھتا؟ یعنی انہوں نے زبان سے کہا کہ جس نے تجھ کو اہمیت دی۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا اور جس نے تجھ پر کنٹرول رکھا۔ جس نے تجھ کو قابو میں رکھا۔ اس کا دنیا میں نام ہوا اس کی عزت ہوئی۔ اے زبان یاد رکھ ہم تیرا کہا نہ مانیں گے ہم جان پر کھیلیں گے پر تجھ سے جھوٹ نہ بلوائے گے ہم سر کے بدلے کان نہیں کٹوائیں گے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس نمبر5:

گھوڑا جب اپنے آقا کو دیکھ کر محبت کے جوش میں آتا ہے تو بے اختیار ہنہناتا ہے۔اور کتا جب پیار کے مارے بے تاب ہو جاتا ہے،تو اپنے مالک کے سامنے دم ہلاتا ہے۔وہ نام کے جانور اور ان کا ظاہر و باطن یکساں۔

حوالہ سبق:

پیش نظر اقتباس ہماری اردو کی درسی کتاب زبان گویا جو کہ کلیات نثر حالی سے لیا گیا ہے۔

حوالہ مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس کے مصنف کا نام الطاف حسین حالی ہے جو اردو کے پہلے سوانح نگار اور تنقید نگار ہیں۔

تشریح:

اس اقتباس میں خواجہ الطاف حسین حالی فرما رہے ہیں کہ اے زبان یاد رکھ ہم تیرا کہا نہ مانیں گے ہم جان پر کھیلیں گے پر تجھ سے جھوٹ نہ بلوائے گے ہم سر کے بدلے کان نہیں کٹوائیں گے۔آگے فرماتے ہیں کہ ایک زبان جب گھوڑا اپنے مالک کو دیکھتا ہے تو بے اختیار ہنہناتا ہے کتا جب پیار کے مارے بے تاب ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کے سامنے دُم ہلاتا ہے یہ وہ جانور ہیں جن کے دل میں جو ہے وہی اس کے ظاہر اور باطن میں بھی ہے یعنی وہ جو کرتا ہے وہی دکھاتا ہے اور یہ زبان ہے یہ زبان بالکل الگ ہے ہم دل میں سوچتے کچھ اور ہیں زبان پر کچھ اور لاتے ہیں۔اگر ہم میٹھی زبان میں گفتگو کریں گے تو دنیا ہماری دیوانی ہو جائے گی اور ہمارا لہجہ کڑوا ہوتا ہے تو پھر ہمارے اپنے لوگ ہم سے دور ہو جائیں گے اس لیے انہوں نے زبان کے بارے میں اللہ پاک سے دعا کی ہے کہ اللہ پاک میری زبان کو ایسی زبان بنانا کہ جب تیرے سامنے آیا تو اس زبان کی وجہ سے مجھے بدنامی نہ اٹھانی پڑھے تا کہ دنیا میں رہے تو سرخرو رہے جب تیرے پاس آئیں تو سرخرو ہو کر آئیں۔

JOIN FOR MORE!!!

فاقے میں روزہ

تعارف مصنف:
آپ کا نام علی حسن ہے اور خواجہ نظام الدین کے اولیاء کے خاندان سے ہونے کی بناء پر نظامی کہلائے۔ اور خواجہ حسن نظامی کے نام سے شہرت پائی، تعلیم معمولی تھی ابتدا میں اخباروں میں مضامین لکھے۔ پھر لغت گوئی اور پند و نصائح تحریر کر کے چوٹی کے ادیب بن گئے۔ آپ کا طرز تحریر اپنی جگہ ایک منفرد چیز ہے، چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی روانی سے عام بول چال کی زبان میں بڑی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ آپ کی مشہور کتابیں "غدر دہلی کے افسانے" اور "بیگمات کے آنسو" ہیں آپ کی ادبی عظمت کے لیے کافی ہے کہ علامہ اقبال نے آپ کے بارے میں فرمایا کہ "اگر مجھے حسن نظامی جیسی نثر لکھنے آجائے تو میں شاعری کرنا چھوڑ دوں۔"

سیاق وسباق:
انگریزوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تو قلعہ برباد ہو گیا شہزادوں کو قتل کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں دی گئیں۔ بادشاہ کے تخت پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اور شاہی خاندان کے بیگمات دربدر ہو کر ماما گیری کرنے لگی اور مسلمانوں کی شان و شوکت ختم ہو گی۔ مرزا شہ زور کی باتوں میں بڑا درد اور اثر تھا۔ ایک دن انھوں غدر کا قصہ اور تباہی کا افسانہ سنایا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس نمبر 1:
"تقدیریان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کے ٹھوکر مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بے کسوں کے کام آتے تھے۔"

حوالہ سبق و مصنف:
مندرجہ بالا اقتباس خواجہ حسن نظامی کے تحریر کردہ سبق "فاقے کا روزہ" سے لیا گیا ہے یہ سبق "خواجہ حسن نظامی" کی کتاب "بیگمات کے آنسو" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:
مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نو عمری کا بیان ہے کہ ایک تو وہ وقت تھا جو آج خواب و خیال کی طرح یاد آتا ہے اور ایک وہ وقت آیا کہ دہلی زیر و زبر ہو گئی۔ قلعہ برباد کر دیا گیا۔ مسلمانوں کی سب شان و شوکت تاراج ہو گئی۔ وہ اپنی بوڑھی والدہ، کمسن بہن اور بیوی کو ساتھ لے کر اور اجڑے قافلے کا سالار بن کر گھر سے نکلے۔ بہن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ سہمی ہوئی کھڑی تھی اور ہم سب کا منہ تکتی تھی۔ مجھ کو اس کی معصومانہ بے کسی پر بڑا ترس آتا تھا۔ آخر مجبوراً میں نے عورتوں کو دلاسا دیا اور آگے چلنے کی ہمت بندھائی۔ ایک گاؤں سامنے نظر آیا، والدہ صاحبہ قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی تھیں اور سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھیں اور جب وہ یہ کہتیں، ''تقدیریان کو ٹھوکریں کھلواتی ہے جو تاج وروں کو ٹھوکریں مارتے تھے۔ قسمت نے ان کو بے بس کر دیا جو بیکسوں کے کام آتے تھے، ہم چنگیز کی نسل ہیں جس کی تلوار سے زمین کانپتی تھی، ہم تیمور کی اولاد ہیں جو ملکوں کا اور شہریاروں کا شاہ تھا۔ ہم شاہجہاں کے گھر والے ہیں، جس نے ایک قبر پر جواہر نگار بہار دکھا دی اور دنیا میں بے نظیر مسجد دہلی کے اندر بنا دی۔ ہم ہندوستان کے شہنشاہ کے کنبہ میں ہیں۔ ہم عزت والے تھے۔ زمین میں ہمیں کیوں ٹھکانا نہیں ملتا، آج ہم پر آسمان روتا ہے''۔ الغرض گرتے پڑتے گاؤں پہنچے۔ یہ گاؤں مسلمان میواتیوں کا تھا، انہوں نے ہماری خاطر کی اور اپنی چوپاڑ میں ہم کو ٹھہرا دیا۔

اقتباس نمبر 2:
"اگرچہ ہم مٹ گئے مگر ہماری حرارت نہیں مٹی میدان میں نکل کر مر جانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں۔"

حوالہ سبق و مصنف:
مندرجہ بالا اقتباس خواجہ حسن نظامی کے تحریر کردہ سبق "فاقے کا روزہ" سے لیا گیا ہے یہ سبق "خواجہ حسن نظامی" کی کتاب "بیگمات کے آنسو" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نوعمری کا بیان ہے۔ جب انگریزوں نے دلی پر قبضہ کرلیا تو قلعہ برباد ہو گیا شہزادوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو ہم انگریزوں سے بچتے بچاتے میواتیوں کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ اور وہیں رہنا شروع کر دیا۔ تیز بارش کے باعث اناج وغیرہ سب بھیگ گیا۔ رمضان کا مہینہ بھی شروع ہو گیا۔ فاقے میں روزہ رکھا۔ دوسرا دن بھی یونہی گزر گیا اور فاقہ میں روزہ در روزہ رکھا۔ شام کے قریب چوہدری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا "آج ہمارے ہاں نیاز تھی اور یہ پانچ روپیہ زکوٰۃ کے ہیں"۔ یہ کھانا اور روپے مجھ کو ایسی نعمت معلوم ہوئے گویا بادشاہت مل گئی۔ خوشی خوشی والدہ کو سارا قصہ سنایا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا، مگر والدہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ باوجود فاقہ کے انہوں نے تیور بدل کر کہا "تف ہے تیری غیرت پر، خیرات اور زکوٰۃ لے کر آیا ہے اور خوش ہوتا ہے، ارے اس سے مرجانا بہتر تھا، میدان میں نکل کر مرجانا یا مار ڈالنا اور تلوار کے زور سے روٹی لینا ہمارا کام ہے، صدقہ خوری ہمارا شیوہ نہیں ہے"۔ والدہ کی ان باتوں سے مجھے پسینہ آ گیا اور شرم کے مارے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے، چاہا کہ اٹھ کر یہ چیزیں واپس کر آؤں، مگر والدہ نے روکا اور کہا "خدا ہی کو یہ منظور ہے تو ہم کیا کریں، سب کچھ سہنا ہوگا"۔

اقتباس نمبر3:

مصاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا: حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے! شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد میں تشریف لے چلا کیجئے عجیب بہار ہوتی رنگ ہے رنگ کے آدمی طرح طرح کے جمگھٹے دیکھنے میں آئیں گے خدا کے دن ہیں خدا والوں کی بہار دیکھیے۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس خواجہ حسن نظامی کے تحریر کردہ سبق "فاقے کا روزہ" سے لیا گیا ہے یہ سبق "خواجہ حسن نظامی" کی کتاب "بیگمات کے آنسو" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

مرزا سلیم بہادر (ابوظفر بہادر شاہ) کے بھائی مردوں میں بیٹھے ہوئے تھے، دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک خادمہ آئی اور ادب سے عرض کیا کہ، حضور بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ مرزا سلیم فوراً محل میں چلے گئے اور تھوڑی دیر میں پریشان واپس آئے۔ ایک بے تکلف دوست نے پوچھا، "خیر باشد، مزاج عالی مکدر پاتا ہوں"۔ مرزا نے مسکرا کر جواب دیا۔ "نہیں کچھ نہیں، بعض اوقات اماں حضرت خواہ مخواہ ناراض ہو جاتی ہیں، کل شام کو افطاری کے وقت نتھن خان گا رہا تھا اور میرا دل بہلا رہا تھا، اس وقت اماں حضرت قرآن شریف پڑھ رہی تھیں، ان کو یہ شور و غل ناگوار معلوم ہوا۔ آج ارشاد ہوا ہے کہ رمضان میں گانے بجانے کی محفلیں بند کر دی جائیں، بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیوں کر چھوڑ سکتا ہوں،،"

اُسی بے تکلف دوست نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا "حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے، شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے جایا کیجئے۔ بہت رونق ہوتی ہے، بہت سے آدمی موجود ہوں گے۔ رمضان کا بابرکت مہینہ ہے۔ دہلی کی جامع مسجد اللہ والوں کی بہار بھی دیکھئے"۔

اقتباس نمبر4

"کل جدید لذیذ" مرزا کو یہ نظارہ بہت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا تو سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاری تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس خواجہ حسن نظامی کے تحریر کردہ سبق "فاقے کا روزہ" سے لیا گیا ہے یہ سبق "خواجہ حسن نظامی" کی کتاب "بیگمات کے آنسو" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

JOIN FOR MORE!!!

مرزا نے شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے جانے کی اس صلاح کو پسند کیا اور دوسرے دن مصاحبوں کو لے کر جامع مسجد جا پہنچے۔ وہاں جا کر عجیب منظر دیکھا، جگہ جگہ حلقہ بنائے لوگ بیٹھے ہیں، کہیں قرآن شریف کے ورد ہو رہے ہیں۔ حافظ آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں، کہیں مسائل دین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی بیٹھے مزے سے سن رہے ہیں، الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔ مرزا کو یہ انتظام نہایت پسند آیا اور وقت بہت لطف سے کٹ گیا۔ اتنے میں افطار کا وقت قریب آیا۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ" "ہر نئی چیز مزیدار معلوم ہوتی ہے" نئی چیز میں بہت لطف آتا ہے، سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے، تاکہ روزہ داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی تمام بیگمات اور شہر کے سب امراء علیحدہ علیحدہ افطاری کے سامان بھیجتے تھے۔ مرزا کے دل پر اس دینی چرچے اور شان و شوکت نے بڑا اثر ڈالا اور اب وہ برابر روزانہ مسجد میں آنے لگے۔

اقتباس نمبر 5:

اس کے بعد چھ مہینے گاؤں میں رہے اور پھر دہلی چلے آئے یہاں آ کر والدہ کا انتقال ہو گیا اور بہن کی شادی کر دی انگریزی سرکار نے میری بھی پانچ روپے ماہوار پنشن مقرر کر دی جس پر آج کل زندگی کا انحصار ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس خواجہ حسن نظامی کے تحریر کردہ سبق "فاقے کا روزہ" سے لیا گیا ہے یہ سبق "خواجہ حسن نظامی" کی کتاب "بیگمات کے آنسو" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

مرزا سلیم کے ایک بھانجے مرزا شہ زور نوعمری کا بیان ہے۔ جب انگریزوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تو قلعہ برباد ہو گیا شہزادوں کو قتل کر دیا گیا۔ تو ہم انگریزوں سے بچتے بچاتے میواتیوں کے ایک گاؤں میں پہنچ گئے۔ اور وہیں رہنا شروع کر دیا۔ تیز بارش کے باعث اناج وغیرہ سب بھیگ گیا۔ رمضان کا مہینہ بھی شروع ہو گیا۔ فاقے میں روزہ رکھا۔ چوہدری کا آدمی دودھ اور میٹھے چاول لایا اور بولا "آج ہمارے ہاں نیاز تھی اور یہ پانچ روپیہ زکوٰۃ کی آپ کے لئے بھجوائی گئی۔ جس پر والدہ مجھ پر بہت ناراض ہوئیں۔ اور کہا۔ "خدا ہی کو یہ منظور ہے تو ہم کیا کریں، سب کچھ سہنا ہوگا"۔ یہ کہہ کر کھانا رکھ لیا اور روزہ کھولنے کے بعد ہم سب نے مل کر کھا لیا۔ پانچ روپیہ کا آٹا منگوایا گیا۔ جس سے رمضان خیر و خوبی سے بسر ہو گیا۔ اس کے بعد چھ مہینے گاؤں میں رہے۔ پھر دہلی واپس چلے گئے۔ یہاں آ کر والدہ کا انتقال ہو گیا اور بہن کی شادی کر دی گئی۔ انگریزی سرکار نے پانچ روپے ماہوار پینشن مقرر کر دی، گزر اوقات ہونے لگی۔

اقتباس نمبر 6:

جب دہلی زندہ تھی اور ہندوستان کا دل کہلانے کا حق رکھتی تھی، لال قلعے پر تیموریوں آخری نشان لہرا رہا تھا۔ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ مرزا سلیم بہادر اپنے مردانہ مکان میں بیٹھے دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں زنان خانے سے ایک لونڈی باہر آئی اور ادب سے عرض کیا کہ حضور بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس خواجہ حسن نظامی کے تحریر کردہ سبق "فاقے کا روزہ" سے لیا گیا ہے یہ سبق "خواجہ حسن نظامی" کی کتاب "بیگمات کے آنسو" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

مرزا سلیم بہادر (ابوظفر بہادر شاہ) کے بھائی مردوں میں بیٹھے ہوئے تھے، دوستوں سے بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے۔ شام کو افطاری کے وقت تھمن خان گا رہا تھا، اس وقت والدہ صاحبہ قرآن شریف پڑھ رہی تھیں، ان کو یہ شور و غل ناگوار معلوم ہوا تو والدہ صاحبہ نے خادمہ کو میرے پاس بھجوایا اُس نے ادب سے عرض کیا کہ، حضور بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ مرزا سلیم فوراً محل میں والدہ کے پاس گئے اور تھوڑی دیر میں پریشان واپس آئے۔ ایک دوست عیچو چھا، "خیریت تو ہے، مزاج عالی میں گرانی پاتا ہوں"۔ مرزا نے مسکرا کر جواب دیا۔ "نہیں کچھ نہیں، بعض اوقات والدہ صاحبہ خواہ مخواہ ناراض ہو جاتی ہیں، آج ارشاد ہوا ہے کہ

رمضان میں گانے بجانے کی محفلیں بند کردی جائیں، بھلا میں اس تفریحی عادت کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں،،"

تخلیق کائنات

تعارف مصنف:

آفتاب حسن سائنسی موضوعات کے معروف مصنف، محقق اور ماہر تعلیم تھے۔ وہ (بہار) ہندوستان میں 16 ستمبر 1909ء کو پیدا ہوئے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ملٹری اکیڈمی کاکول میں سائنس شعبے کے سربراہ رہے۔

بعد میں وہ اردو سائنس کالج کراچی کے پرنسپل کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1960ء سے 1972ء تک وہ شعبہ تصنیف تالیف وترجمہ جامعہ کراچی کے سربراہ رہے۔ وہ مقتدرہ قومی زبان کے پہلے معتمد تھے۔ آفتاب حسن 26 فروری 1993ء کو کراچی میں وفات پا گئے اور کراچی ہی میں گلشن اقبال کے قبرستان میں آسودہ خاک ہوئے۔

سیاق وسباق:

اقتباس نمبر 1: ہماری زمین انمول خزانے سے بھری پڑی ہے اور ان خزانوں سے جو دولت نکلتی ہے اس میں پٹرولیم ایسی شے ہے جس کا ملنا مشکل ہے جدید دنیا دراصل مشین کی دنیا ہے مشین کے لیے اس وقت تین اہم ذریعے ہیں بجلی کوئلہ اور پٹرول۔

JOIN FOR MORE!!!

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس آفتاب حسن کے تحریر کردہ سبق "تخلیقِ کائنات" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف کا نام "آفتاب حسن" ہے۔

تشریح:

اس اقتباس میں آفتاب حسن پیٹرولیم کی اہمیت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ تاریخ علوم اِنسانی میں تخلیق وجودِ کائنات سے متعلق بے شمار نظریات پائے جاتے ہیں، انسانی زندگی کی نقل وحرکت کا خاصا انحصار توانائی پر ہے. ہماری زمین بہت سے قیمتی اور انمول خزانوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور ان خزانوں سے جو دولت نکلتی ہے اس میں پٹرولیم ایسی شے ہے جس کا بدل ملنا مشکل ہے جدید دنیا دراصل مشین کی دنیا ہے مشین کے لئے اس وقت تین اہم ذریعے ہیں۔ بجلی، کوئلہ اور پیٹرول، بجلی ایک جگہ قائم رہنے والی مشینوں کے لیے بہت موزوں ہے۔ لیکن زمین سے نکلنے والے خزانوں میں پٹرولیم بہت اہمیت کا حامل ہے۔ روایتی توانائی کے ذرائع ہیں کوئلہ، معدنی تیل، لکڑی اور گوبر وغیرہ جب کہ غیر روایتی توانائی حاصل کرنے کے ذرائع ہیں شمسی توانائی، آبی یا موجی توانائی، ہوائی توانائی، لیکن آج کے دور میں پٹرولیم کی بہت اہمیت ہے۔

اقتباس نمبر 2

پیٹرولیم کوئی نئی دریافت نہیں ہے پرانے لوگ اس سے واقف تھے انجیل میں اس کا ذکر موجود ہے قدیم مورخ ہیروڈوٹس بابل کے قریب تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے بھی مورخ بیان کرتا ہے کہ جزیرہ زانٹے میں بھی ایک تیل کا چشمہ ہے۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس آفتاب حسن کے تحریر کردہ سبق "تخلیقِ کائنات" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف کا نام "آفتاب حسن" ہے۔

اس اقتباس میں آفتاب حسن پیٹرولیم کی دریافت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ موجودہ دور میں پٹرولیم کی بہت اہمیت ہے دنیا کی تیز ترین مشینیں پیٹرول سے چلتی ہیں پٹرول ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ پیٹرولیم کوئی نئی دریافت نہیں ہے پرانے لوگ اس سے واقف تھے۔ پرانے لوگ تیل کو جلانے کے علاوہ دوا کے کام میں لایا کرتے تھے زخموں کو اچھا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ بخارات میں تبدیل ہو جانے والے اجزاء نکل جاتے ہیں تو ایک گاڑھی شے بن جاتی ہے اس کو قیر (پچ) کہتے ہیں اس کو قدیم زمانے میں کشتیوں کو پانی کے اثر سے بچانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ اِنجیل میں بھی اس کا ذکر موجود ہے قدیم مورخ ہیروڈوٹس

بابل کے قریب تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے۔ بابل موجودہ عراق کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہ موجودہ بغداد سے 55 میل دور، بجانب جنوب، دریائے فرات کے کنارے آباد تھا۔ بقول اسی مورخ کے جزیرہ زانٹے (جو کہ بابل میں ہے) میں بھی ایک تیل کا چشمہ ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ دو ہزار سال گزر گئے لیکن زانٹے میں اب بھی تیل موجود ہے۔

اقتباس نمبر3:

یہ جو سنگ مرمر، ریت پتھر، چونا پتھر، شیل اور دوسرے قسم کے تہہ بہ تہہ جمے ہوئے پتھر ہمیں زمین کے اندر نظر آتے ہیں ان کو رسوبی چٹانیں کہا جاتا ہے۔ یہ چٹانیں اب تو خشکی میں ہیں لیکن دراصل یہ سمندر کی تہہ میں لاکھوں سال کے عمل سے تیار ہوئی ہیں۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس آ فتاب حسن کے تحریر کردہ سبق "تخلیقِ کائنات" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف کا نام "آ فتاب حسن" ہے۔

تشریح:

اس اقتباس میں آ فتاب حسن سنگ مرمر، ریت پتھر، چونا پتھر یعنی چٹانوں کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ آج سے کروڑوں سال پہلے زمین کی حالت مختلف تھی آج جہاں خشکی ہے لوگ رستے بستے ہیں وہاں سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔ جہاں تہہ بہ تہہ جمے ہوئے پتھر ہمیں زمین کے اندر نظر آتے ہیں ان کو رسوبی چٹانیں کہا جاتا ہے۔ یہ چٹانیں اب تو خشکی میں ہیں۔ لیکن دراصل یہ سمندر کی تہہ میں لاکھوں سال کے عمل سے تیار ہوئی ہیں۔ کبھی کبھی سمندر کی سطح بلند ہو کر خشک زمین کو غرق کر کے سمندر بنا دیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج ہم خشک زمین پر کبھی سطح کے اوپر اور کبھی سطح کے نیچے پتھروں کی تہہ پر یہ جمی ہوئی چٹانیں دیکھتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس نمبر4:

تیل کے پائے جانے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس جگہ مسام دار چٹانیں موجود ہوں، جن میں تیل جمع رہے۔ دوسری ضروری چیز ایک غیر مسام دار چٹان ہے جو مسام دار تہہ کے اوپر ہوں اور تیل کو محفوظ رکھ سکے۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس آ فتاب حسن کے تحریر کردہ سبق "تخلیقِ کائنات" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف کا نام "آ فتاب حسن" ہے۔

تشریح:

اس اقتباس میں آ فتاب حسن تیل کے پائے جانے کی علامت کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ پہلی علامت تیل کے پائے جانے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس جگہ مسام دار چٹانیں موجود ہوں، جن میں تیل جمع رہے۔

دوسری ضروری چیز ایک غیر مسام دار چٹان ہے جو مسام دار تہہ کے اوپر ہوں اور تیل کو محفوظ رکھ سکے۔ اکثر تیل کی سطح کے نیچے سے پانی بڑے دباؤ کے تحت اوپر اٹھنا شروع ہوتا ہے اور تیل کو اپنے آگے دھکیلتا جاتا ہے اگر غیر مسام دار چٹان اس کے اوپر موجود نہ ہو تو تیل اوپر اٹھتے اٹھتے سطح زمین پر آ جائے گا اور ضائع ہو جائے گا۔

تیسری چیز یہ ہے کہ زمین کے اندرونی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے کہ تیل دور دور سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جائے، ایسا نہ ہو تو تیل کا حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔

چوتھی اور سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ایسا ماخذ ہونا چاہیے جس سے تیل نکل سکے۔ جب تک یہ چاروں چیزیں ایک جگہ نہ پائی جائے تیل پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں

تعارف مصنف:

پروفیسر ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (پیدائش:15 جون، 1916ء- وفات:7 ستمبر، 1994ء) پاکستان سے تعلق رکھنے والے ماہرِ لسانیات، محقق، ماہرِ تعلیم، نقاد، جامعہ کراچی کے شعبہ اردو کے سربراہ اور کولمبیا یونیورسٹی کے وزٹنگ پروفیسر تھے۔ وہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اردو ادب میں پی ایچ ڈی کرنے والے پہلے اسکالر تھے۔

تصانیف:

لکھنؤ کا دبستان شاعری، کلیات مصحفی، غزل اور متغزلین، آج کا اردو ادب، تاریخ زبان ادبیات اردو، جدید اردو ادبیات، اردو میں سائنسی ادب کا اشاریہ۔

سیاق وسباق:

دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اس باب میں اردو کا مقابلہ کر سکے۔ اس میں نئے الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور اپنی ساخت اور مزاج کے باعث غیر زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات بھی اس میں بلا تکلف گھل مل جاتے ہیں۔ فارسی اس ملک کی سرکاری اور دفتری زبان رہی، اور یہی ہماری علمی وادبی زبان رہی۔ فارسی لوگوں کے گھر میں بولی جاتی تھی بعض لوگوں کی یہ مادری یا پدری زبان تھی۔ اور اتنی عام ہوگئی تھی کہ لوگ نہ صرف زبان میں شعر کہتے، بلکہ دیوان اور مجموعے تک مرتب کرتے تھے۔ اور علمی وادبی اور تاریخی کتابیں بھی لکھتے تھے۔ جن کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ ایران میں بھی ارباب بصیرت سینے سے لگاتے اور آنکھوں پر رکھتے تھے۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس نمبر 1:

جب تک فارسی اس ملک کی سرکاری اور دفتری زبان رہی یہی ہماری علمی اور ادبی زبان رہی، لیکن اس کی حیثیت ایک اجنبی اور غیر ملکی زبان کی نہ تھی۔ فارسی یہاں لوگوں کے گھروں میں بولی جاتی تھی بعض لوگوں کی مادری یا پدری زبان تھی۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے تحریر کردہ سبق " کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف " ڈاکٹر ابواللیث صدیقی" ہیں۔

تشریح:

پاکستان میں اردو کو قومی زبان قرار دینے کے بعد اس کی دفتری حیثیت کو متعین کرنا ضروری ہے۔ سرکاری زبان کے طور پر اب تک انگریزی رائج ہے۔ اس سے پہلے فارسی زبان کا دور دورہ تھا۔ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کی آمد اور اسلام کی ترویج کے بعد سماجی سطح پر کئی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سرکاری اور درباری زبان کے طور پر فارسی زبان کا چلن تھا۔ عربی کی مسلمہ دینی حیثیت کی بنا پر اس کی برتری مذہبی امور میں قائم تھی، لیکن اس زمانے تک عالم اسلام کی تہذیبی زبان کے طور پر فارسی نے اپنا سکہ جما لیا تھا۔ فارسی زبان، ہندوستان کی تہذیب وتمدن کا ایک حصہ رہی ہے اور اکبر شاہ کے دور میں ترجمے کا ایک شعبہ قائم ہوا تھا۔ جہاں فارسی کی نادر ونایاب کتابوں کا سنسکرت زبان میں اور سنسکرت کی کتابوں کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ فارسی لوگوں کے گھر میں بولی جاتی تھی بعض لوگوں کی یہ مادری یا پدری زبان تھی اور اتنی عام ہوگئی تھی کہ لوگ نہ صرف زبان میں شعر کہتے بلکہ دیوان اور مجموعے تک مرتب کرتے تھے، اور علمی وادبی اور تاریخی کتابیں بھی لکھتے تھے، جن کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ ایران میں بھی ارباب بصیرت سینے سے لگاتے اور آنکھوں پر رکھتے تھے۔

اقتباس نمبر 2:

جن قوموں نے سائنسی میدان میں ترقی کی ہے کیا واقعی واقعی ان کی ترقی انگریزی زبان کی مرہون منت ہے مثال کے طور پر یورپ میں جرمنی کو یا پھر روس کو یا پھر ایشیا میں جاپان کو لے لیجیے ان ملکوں کی سائنسی ترقی اور صنعتی فروغ کو ہی ایسی بات نہیں جس پر کوئی بحث ہو سکے۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے تحریر کردہ سبق " کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف "ڈاکٹر ابواللیث صدیقی" ہیں۔

تشریح:

دنیا کی ہر قوم اور حکومت اپنی قومی زبان کی ترویج، فروغ اور ترقی کے لئے کام کرتی ہے بلکہ دوسری زبانوں کے علوم وفنون کا بھی اپنی قومی زبان میں ترجمہ کر کے کتابیں مرتب کرتی ہیں۔اس کے برعکس ایک ہم ہیں، جو اردو بولنے والے اور پڑھنے والے کو کم علم، کم تر اور کم درجہ دیتے ہیں۔ترقی یافتہ ملکوں کی سائنسی ترقی اور صنعتی فر کوئی نہیں جس پر بحث ہو سکے، اور ان سب ملکوں نیا پنی اپنی زبان میں سائنس کی تعلیم وتدریس سے ترقی کی ہے۔اور آج سائنسی لٹریچر جتنا ان زبانوں میں شایع ہے انگریزی میں شایع ہونے والے لٹریچر سے مقدار یا نوعیت کسی اعتبا سے کم نہیں ہے، تو اگر دنیا کے اور چھوٹے بڑے مختلف ممالک اپنی اپنی زبانوں میں جملہ فنون سائنسی صنعتی اور تکنیکی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں تو ہماری زبان میں کیا ایسی بنیادی کمزوری اور خامی جس کی بنا پر یہ ہماری تعلیم اور بالخصوص سائنسی تعلیم کا ذریعہ نہیں سکتی۔

اقتباس نمبر3:

ہمارے محبان قوم کا ایک طبقہ اور ہے جسے اپنی زبان سے بھی ہم دردی ہے یہ لوگ اصولا تو اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قومی ترقی کے لئے قومی زبان کی ترقی ضروری ہوتی ہے اور ملک میں تعلیم وتدریس کے معیار کو اعلیٰ کرنے کے لیے قومی زبان میں تعلیم ہونی چاہیے۔

JOIN FOR MOREW

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے تحریر کردہ سبق " کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف "ڈاکٹر ابواللیث صدیقی" ہیں۔

تشریح:

قومی زبان کی اہمیت نے تعلیم وتدریس کی مختلف سطحوں پر اپنی اہمیت اور افادیت کو منوالیا ہے اور بعض مضامین کے اساتذہ کرام نے قومی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اختیار بھی کر لیا ہے۔اور ملک میں تعلیم وتدریس کے معیار کو اعلیٰ کرنے کے لیے قومی زبان میں تعلیم ہونی چاہیے۔علوم وفنون پر کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے غرض ان کے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اپنی زبان میں تعلیم دینے کے مسئلے کو اٹھایا جائے۔لیکن ان کے خیال میں اردو ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ اسے یہ منصب سونپا جائے، اس میں علمی اور فنی اصطلاحات کی کمی ہے۔اس میں سائنسی مضامین کو ادا کرنے کا اسلوب پیدا نہیں ہوا ہے۔علوم وفنون پر کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے۔غرض ان کے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا، کہ اپنی زبان میں تعلیم دینے کے مسئلے کو اٹھایا جائے۔

اقتباس نمبر4:

دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اس باب میں اردو کا مقابلہ کر سکیں کی اس میں نئے الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور اپنی ساخت اور مزاج کے باعث غیر زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات بھی اس میں بلا تکلف گھل مل جاتے ہیں۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے تحریر کردہ سبق " کچھ ذریعہ تعلیم کے باب میں" سے لیا گیا ہے اس سبق کے مصنف " ڈاکٹر ابواللیث صدیقی" ہیں۔

تشریح:

اردو زبان میں الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے، اردو زبان کے الفاظ اور اصطلاحات بھی دوسری زبانوں میں بلا تکلف گھل مل جاتے ہیں۔اسی لیے اگر اس کو جدید علوم وفنون کی تعلیم اور تدریس کے لئے اختیار کیا جائے تو یہ اس فرض کو ادا کر سکتی ہے۔زبان کی ترقی کی جس منزل میں جس قسم کے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اسی قسم کے الفاظ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ایک زندہ زبان کی نشانی یہی ہے کہ وہ کتنی تیزی اور آسانی سے تبدیلیوں کو اپنانے میں کامیاب ہوتی ہے۔ اردو زبان میں بھی کچھ ایسے الفاظ ہیں جو بھلے ہی اب تک کسی لغت یا ڈکشنری میں شامل نہ کیے گئے ہوں، مگر عام بول چال کا حصہ بن گئے ہیں؟ ہماری بدلتی ہوئی دنیا کے ساتھ ساتھ ہماری زبان بھی بدل رہی ہے۔تو یہ بات واضح ہوئی کہ دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اس باب میں اردو کا مقابلہ کر سکیں۔

تھر کی نادیہ کمانچی

تعارف مصنف:
مستنصر حسین تارڑ پاکستان کے مشہور سفر نامہ نگار ہیں۔ یکم مارچ 1939 میں منڈی بہاؤالدین میں پیدا ہوئے۔ اب تک پچاس سے زیادہ کتابیں لکھ چکے ہیں۔ ان کی وجہ شہرت سفر نامے اور ناول نگاری ہے۔ اس کے علاوہ ڈراما نگاری، افسانہ نگاری اور فن اداکاری سے بھی وابستہ رہے۔

تصانیف:
شہر، ہزاروں راستے، پرندے، سورج کے ساتھ ساتھ، ایک حقیقت ایک افسانہ، کیلاش، فریب، لکلے تری تلاش میں، اندلس میں اجنبی، نانگا پربت، سفر شمال کے

سیاق وسباق:
ہم ننگر پارکر کی جانب سفر کر رہے تھے، کارونجھر کے سرخ چٹانی سلسلے میں سفر کا آغاز کیا، عجب چٹانی سلسلہ تھا صحراؤں کے درمیان میں آسٹریلیا کی الورچٹان کی مانند آسمان سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ۔ وہاں نادیہ سے ملاقات ہوئی، جو آٹھ دس برس کی ہوگی۔ جو اپنی تھر کی زبان میں بول رہی تھی کہ سائیں کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین پہاڑی وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں جھنڈے کو ہاتھ لگا کر پانچ منٹ میں واپس آسکتی ہوں۔ یہ بچی مشہور عالم جمنا سٹک نادیہ کمانچی سے کم نہ تھی اگرچہ یہ بھی نادیہ تھی۔ رومانیہ کی نہ تھی صحرائے تھر کی تھی اور لکڑیاں بیچتی تھی۔

اقتباس نمبر 1:
عجب چٹانیں سلسلہ تھا صحراؤں کے درمیان میں آسٹریلیا کی الورو چٹان کی مانند شاید آسمان سے اترا ہوا مقدس چٹانیں سلسلہ۔۔ بہ ظاہر خشک اور چٹیل لیکن اس کے اندر خنک اور میٹھے پانیوں کے ذخیرے پوشیدہ تھے۔

حوالہ سبق ومصنف:
مندرجہ بالا اقتباس "مستنصر حسین تارڑ" کے تحریر کردہ سبق "تھر کی نادیہ کمانچی" سے لیا گیا ہے یہ سبق "مستنصر حسین تارڑ" کی کتاب "سفر سندھ کے۔۔۔ سندھ بہتا رہا" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:
مستنصر حسین تارڑ اپنے اس سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ ہم ننگر پارکر کی جانب سفر کر رہے تھے، کارونجھر کے سرخ چٹانی سلسلے میں سفر کا آغاز کیا، بہت ہی خوب صورت چٹانی سلسلہ تھا صحراؤں کے درمیان میں، بظاہر آسٹریلیا کی الورو چٹان کی مانند آسمان سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ لگ رہا تھا۔ بظاہر خشک اور چٹیل لیکن اس کے اندر مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے ذخائر موجود تھے۔ مصنف نے ننگر پارکر کی منظر کشی کرتے ہوئے فرمایا کہ ننگر پارکر کا کارونجھر پہاڑی سلسلہ میں آب وگیاہ چٹانی حصار بلند ہوتے تھے اور تیز ہوائیں سسکیاں بھرتی تھیں ہم واپس ہونے ہی کو تھے۔ کہ ایک کھائی کی خاردار جھاڑیوں میں سے تین بچے نمودار ہو گئے دھوپ کی وجہ سے ان کا رنگ جل چکا تھا ان کے ہاتھ میں درانتیاں تھیں۔ اور لکڑیاں کاٹ کر تھر کے بازار میں بیچتے تھے۔

اقتباس نمبر 2:
ان میں سے ایک بچی جو شاید آٹھ دس برس کی ہوگی چہرہ دھوپ سے جلا اور ہونٹ سوکھے ہوئے بدن پر ماس بہت کم میلی کچیلی بے دھڑک اپنی درانتی لہراتی ہوئی کچھ ہم سے کہتی تھی اور بلندی کی جانب اشارہ کرتی تھی۔

حوالہ سبق ومصنف:
مندرجہ بالا اقتباس "مستنصر حسین تارڑ" کے تحریر کردہ سبق "تھر کی نادیہ کمانچی" سے لیا گیا ہے یہ سبق "مستنصر حسین تارڑ" کی کتاب "سفر سندھ کے۔۔۔ سندھ بہتا رہا" سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

مصنصر حسین تارڑ اپنے اس سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ ہم نگر پار کر کی جانب سفر کر رہے تھے، کارونجھر کے سرخ چٹانی سلسلے میں سفر کا آغاز کیا، بہت ہی خوب صورت چٹانی سلسلہ تھا ہم واپس ہونے ہی کو تھے۔ کہ ایک کھائی کی خاردار جھاڑیوں میں سے تین بچے نمودار ہو گئے دھوپ کی وجہ سے ان کا رنگ جل چکا تھا، ہونٹ سوکھے ہوئے، بدن پر گوشت بہت کم، کمزور دبلے پتلے، میلے کچیلے، ان کے ہاتھ میں درانتیاں تھیں۔ اور لکڑیاں کاٹ کر تھر کے بازار میں بیچتے تھے۔ ان میں ایک بچی جو آٹھ دس برس کی ہو گی جو اپنی تھر کی زبان میں بول رہی تھی کہ سائیں کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین پہاڑی وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں وہاں تک چٹانوں کو ٹاپتی کودتی صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہوں۔ جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آ سکتی ہوں۔

اقتباس نمبر3:

وہ دھوپ جلی لڑکی دیدہ دل کا اشارہ پاتے ہی انسان کے روح سے جدا ہو کر ایک بندریا ہو گی ننگے پاؤں پہلے وہ راستے سے اتر کر کھائی کے اندر غائب ہو گئیں پھر ایک دم ظاہر ہوئی اور اچھلتی کودتی چٹانوں پر چڑھتی بڑے پتھروں کو پھلانگتی کبھی ان میں اوجھل ہو جاتی اور کبھی کسی چٹان کی اوٹ میں سے نمودار ہو جاتی۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس "مصنصر حسین تارڑ" کے تحریر کردہ سبق "تھر کی نادیہ کمانچی" سے لیا گیا ہے یہ سبق "مصنصر حسین تارڑ" کی کتاب "سفر سندھ کے۔۔۔ سندھ بہتا رہا" سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MOREVU

تشریح:

مصنصر حسین تارڑ اپنے اس سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ ہم نگر پار کر کی جانب سفر کر رہے تھے، کارونجھر کے سرخ چٹانی سلسلے میں سفر کا آغاز کیا، بہت ہی خوب صورت چٹانی سلسلہ تھا ہم واپس ہونے ہی کو تھے۔ کہ ایک کھائی کی خاردار جھاڑیوں میں سے تین بچے نمودار ہو گئے دھوپ کی وجہ سے ان کا رنگ جل چکا تھا، ہونٹ سوکھے ہوئے، بدن پر گوشت بہت کم، کمزور دبلے پتلے، میلے کچیلے، ان کے ہاتھ میں درانتیاں تھیں۔ تھر کی بچی نادیہ جو آٹھ دس برس کی ہو گی۔ جو اپنی تھر کی زبان میں بول رہی تھی کہ سائیں کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین پہاڑی وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں وہاں تک چٹانوں کو ٹاپتی کودتی صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہوں۔ جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آ سکتی ہوں۔ تھر کی بچی نادیہ دیدہ دل کا اشارہ پاتے ہی انسان کے روپ میں ایک بندریا ہو گی ننگے پاؤں پہلے وہ راستے سے اتر کر کھائی کے اندر غائب ہو گی ننگے پاؤں کو اچھلتی کودتی چٹانوں پر چڑھتی پتھروں کو پھلانگتی ہوئی ان میں اوجھل ہو جاتی اور کبھی کسی چٹان کی اوٹ میں نمودار ہو جاتی۔ کچھ ہی لمحوں بعد چٹانوں کی آخری بلندی پر جھنڈے کے برابر کھڑی ہمیں ہاتھ ہلا رہی تھی۔ وہ جھنڈے کو ہاتھ لگا کر پانچ منٹ میں واپس آ گئی۔ اور وہ ہانپ نہیں رہی تھی اس کا سانس چڑھا ہوا نہیں تھا اس کا نام پوچھا کہ کیا نام ہے اس نے اپنا نام بتایا کہ میرا نام نادیہ ہے۔

اقتباس نمبر4:

جب وہ ننگے پاؤں ایک آہو کی مانند چٹانوں پر قلانچیں بھرتی تھی تو مجھے کانگے پاؤں والا کھیلا یاد آتا تھا وہ روزانہ اولمپک کی طویل ترین دور میراتھون سے زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے اس کی مناسب ٹریننگ کی گئی اور اسے ایتھوپیا کی جانب سے روم اولمپک میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیا گیا۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس "مصنصر حسین تارڑ" کے تحریر کردہ سبق "تھر کی نادیہ کمانچی" سے لیا گیا ہے یہ سبق "مصنصر حسین تارڑ" کی کتاب "سفر سندھ کے۔۔۔ سندھ بہتا رہا" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

مصنصر حسین تارڑ اپنے اس سفرنامے میں لکھتے ہیں کہ ہم نگر پار کا سفر کر رہے تھے۔ کہ تھر کی بچی نادیہ جو آٹھ دس برس کی ہو گی۔ وہ یہ دعویٰ کر رہی تھی کہ وہ جھنڈے کو ہاتھ لگا کر پانچ منٹ میں واپس آ سکتی ہے۔ نادیہ دیدہ دل کا اشارہ پاتے ہی انسان کے روپ میں ایک بندریا ہو گی ننگے پاؤں پہلے وہ راستے سے اتر

کر کھائی کے اندر غائب ہوگی ننگے پاؤں کو اچھلتی کودتی چٹانوں پر چڑھتی پتھروں کو پھلانگتی ہوئی، ایک آہو کی مانند ہرن کی طرح چٹانوں پر قلانچیں بھرتی جھنڈے کو ہاتھ لگا کر پانچ منٹ میں واپس آ گئی۔ ایتھوپیا کا ننگے پاؤں والا بکیلا یاد آیا۔ روم اولمپک میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیا گیا۔ وہ بہت تیز بھاگتا رہا، یہاں تک کہ سب کھلاڑیوں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ لوگ اُس کی تعریف میں نشستوں سے کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے رہے۔ جب ایتھوپیا واپس جا تا تو اس ملک کے پہلے سونے کا تمغا جیتنے والے کے لئے استقبال کے لیے پورا ملک امڈ آتا ہے بکیلا نے بعد ازاں متعدد اولمپک مراتھون دوڑیں ننگے پاؤں جیتیں اور پھر اپنی اسپورٹ کار کے حادثے میں زندگی بھر کے لیے آپاہج ہو گیا بقیہ زندگی ایک ویل چیئر میں بسر کی۔

اقتباس نمبر5:

مجھے یقین ہے کہ اس لکڑیاں چننے والی تھری دھوپ جلی نادیہ کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو تو میراتھون یا کسی ہرڈل ریس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے اولمپک کا اس نوعیت کا پہلا گولڈ میڈل حاصل کر سکتی ہے۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس "مصطفیٰ حسین تارڑ" کے تحریر کردہ سبق "تھر کی نادیہ کمانچی" سے لیا گیا ہے یہ سبق "مصطفیٰ حسین تارڑ" کی کتاب "سفر سندھ کے۔۔۔ سندھ بہتا رہا" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

مصطفیٰ حسین تارڑ اپنے اس سفر نامے میں لکھتے ہیں کہ ہم ننگر پار کا سفر کر رہے تھے۔ کہ تھر کی بچی نادیہ جو آٹھ دس برس کی ہوگی۔ وہ یہ دعویٰ کر رہی تھی کہ وہ جھنڈے کو ہاتھ لگا کر پانچ منٹ میں واپس آ سکتی ہے۔ تھر کی نادیہ کمانچی واقعی بہت تیز بھاگ رہی تھی۔ وہ غریب ہونے کے باوجود محنت کش ہے۔ چہرے پر پریشانی کے آثار نہ تھے۔ مصنف نے تھر کی بچی کو مشہور عالم جمناسٹک نادیہ کمانچی عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا یہ بچی نادیہ کمانچی سے کم نہ تھی اگرچہ یہ بھی نادیہ تھی۔ رومانیہ کی نہ تھی صحرائے تھر کی تھی اور لکڑیاں بیچتی تھی۔

اگر اس بچی جو لکڑیاں چننے والے تھر کی بچی نادیہ کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو مراتھون یا کسی ہرڈل ریس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے اولمپک کی نوعیت کا پہلا گولڈ میڈل حاصل کر سکتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

ملکہ بلقیس کا محل

تعارف مصنف:

قمر علی عباسی ایک نامور صحافی، عالمی شہرت یافتہ سفر نامہ نگار اور کالم نگار تھے۔ پاکستان میں قمر علی عباسی وہ ادیب ہیں جنھوں نے سب سے زیادہ سفر نامے لکھے۔ ان کے سفر ناموں میں لندن لندن، دلی دور ہے، چلا مسافر سنگاپور، امریکا مت جائیو وغیرہ قمر علی عباسی نے بچوں کے لیے بھی متعدد کتابیں تحریر کیں جن میں رحم دل ڈاکو، بہادر شہزادہ، سمندر کا بیٹا، کائیں کائیں، میاؤں میاؤں، ہمارا پاکستان قابل ذکر ہیں۔

سیاق وسباق:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار سجا ہوا تھا انسان انسان، جن، چرند، پرند سب حاضر تھے۔ سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: ''کیا بات ہے مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ (ایسی ہی بات ہوئی) تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا وہ میرے سامنے کوئی معقول وجہ پیش کرے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ (ہدہد آ گیا اور) کہنے لگا: ''میں نے وہ کچھ معلوم کیا ہے جو ابھی تک آپ کو معلوم نہیں، میں شہر سبا سے متعلق ایک یقینی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔

JOIN FOR MORE!!!

اقتباس نمبر 1:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار سجا تھا جن انسان چرند پرند حاضر تھے ان کے سر پر طوطے سایہ کیے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھا ہدہد غائب ہیں۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس قمر علی عباسی کے تحریر کردہ سبق "ملکہ بلقیس کا محل" سے لیا گیا ہے یہ سبق "قمر علی عباسی" کی کتاب "عُمان کے مہمان" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار سجا ہوا تھا انسان انسان، جن، چرند، پرند سب حاضر تھے۔ سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: ''کیا بات ہے مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ (ایسی ہی بات ہوئی) تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا وہ میرے سامنے کوئی معقول وجہ پیش کرے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ (ہدہد آ گیا اور) کہنے لگا: ''میں نے وہ کچھ معلوم کیا ہے جو ابھی تک آپ کو معلوم نہیں، میں شہر سبا سے متعلق ایک یقینی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکمرانی کرتی ہے جسے سب کچھ عطا کیا گیا ہے اور اس کا تخت عظیم الشان ہے۔ میں نے (یہ بھی) دیکھا کہ وہ خود اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے غائب ہونے کا یہ قصہ سنایا۔ جب آپ آرام فرما رہے تھے، تو میں باغ کی دیوار پر جا بیٹھا وہاں ایک اجنبی ہدہد تھا۔ اس نے بتایا کہ میں شہر سبا کا رہنے والا ہوں، جہاں کے حکمران ملکہ بلقیس ہے۔

اقتباس نمبر 2:

میں شہر سبا کا رہنے والا ہوں جہاں کی حکم راں ملکہ بلقیس ہے ان کے تابع 12 ہزار سردار ہیں ہر سردار کے پاس ایک لاکھ سوار پیادے جواں مرد ہر وقت تیار رہتے ہیں مجھے یقین نہیں آیا وہ بولا میرے ساتھ چلو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس قمر علی عباسی کے تحریر کردہ سبق "ملکہ بلقیس کا محل" سے لیا گیا ہے یہ سبق "قمر علی عباسی" کی کتاب "عُمان کے مہمان" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار سجا ہوا تھا انسان انسان، جن، چرند، پرند سب حاضر تھے۔ لیکن ہدہد غائب تھا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہدہد آ گیا۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے غائب ہونے کا یہ قصہ سنایا۔ جب آپ آرام فرما رہے تھے، تو میں باغ کی دیوار پر جا بیٹھا وہاں ایک اجنبی ہدہد تھا۔ اس نے بتایا کہ میں شہر سبا کا رہنے والا ہوں، جہاں کے حکمران ملکہ بلقیس ہے۔ اس کے تابع بارہ ہزار سردار ہیں ہر سردار کے پاس ایک لاکھ مرد ہوتے ہیں۔ تو ہدہد اس کے ساتھ شہر سبا چلا گیا جب اس نے بلقیس کو دیکھا کہ وہ حسن جمال میں بے مثال، عقل وفہم میں لاثانی، شان وشوکت میں باکمال، تیس گز کے تخت پر بیٹھی تھی جواہرات سے مرصع لیکن دین سے عاری تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ خود اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

اقتباس نمبر3:

ملکہ کے قاصد دربار میں پہنچے تو شان وشوکت دیکھ کر حیران رہ گئے خیال کیا، کہ یہ نہ سمجھا جائے دیوار سے اینٹیں ہم نے چرالی ہیں۔ تحفے کیسے پیش کریں۔ دور سے آئے تھے ملکہ کا حکم تھا تحفے پیش کیے۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس قمر علی عباسی کے تحریر کردہ سبق "ملکہ بلقیس کا محل" سے لیا گیا ہے یہ سبق "قمر علی عباسی" کی کتاب "عُمان کے مہمان" سے ماخوذ ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

تشریح:

ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے غائب ہونے کا یہ قصہ سنایا۔ کہ شہر سبا کی حکمران ملکہ بلقیس ہے۔ وہ خود اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ سلیمانؑ نے ہدہد سے کہا: یہ میرا خط لے جا اور اسے ملکہ بلقیس تک پہنچا دو۔" (سبا کی ملکہ) کہنے لگی: "اے اہل دربار! میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے، میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو۔ (درباری) کہنے لگے "ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگ جو ہیں مگر معاملہ کا اختیار تو آپ ہی کو ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں؟"۔ (ملکہ) کہنے لگی: میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کیا جواب لاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ میدان میں بنی دیوار سے سات سونے چاندی کی اینٹیں سات ریشم کے تھان لائے جائیں۔ ملکہ کے قاصد دربار میں پہنچے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار کی شان وشوکت دیکھ کر حیران رہ گئے۔ قاصدوں نے خیال کیا، کہ یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ دیوار سے اینٹیں ہم نے چرالی ہیں۔ ڈرتے ہوئے تحفے کیسے پیش کیے۔ دور سے آئے تھے ملکہ کا حکم بھی تھا کہ تحفے پیش کرنے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحفے قبول نہیں کیے اور پیغام بھجوایا۔ اللہ نے سب کچھ دیا ہے اللہ کا دین قبول کرو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

اقتباس نمبر4:

ایک جن سے ملکہ کا تخت منگوایا۔ اس کے ہیرے جواہرات کی ترتیب اور جڑاؤ بدل دی تا کہ وہ پہچان نہ سکے۔ ملکہ بلقیس صلالہ پہنچی، محل تعمیر کرایا، قیام کیا۔ لوبان خرید اور شام روانہ ہوئی۔ ملکہ دربار پہنچی تو سبھی فرش پر پانی ہے۔ اپنا لباس اوپر اٹھایا۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس قمر علی عباسی کے تحریر کردہ سبق "ملکہ بلقیس کا محل" سے لیا گیا ہے یہ سبق "قمر علی عباسی" کی کتاب "عُمان کے مہمان" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کچھ تحفہ بھجوائے کہ میں دیکھوں گی کہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کیا جواب لاتے ہیں۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام واقعی اللہ کے نبی ہوئے تو تحفے قبول نہیں کریں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحفے قبول نہیں کیے اور پیغام بھجوایا۔ اللہ نے سب کچھ دیا ہے اللہ کا دین قبول کرو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ سلیمانؑ نے کہا: اے اہل دربار! تم میں سے کون ہے جو ان کے مطیع ہو کر آنے سے پہلے پہلے ملکہ کا تخت میرے پاس اٹھا لائے؟"۔ ایک جن کہنے لگا: "میں یہ تخت آپ کو آپ کی نگاہ لوٹانے سے پہلے ہی لائے دیتا ہوں، پھر (درباریوں سے) کہا: "اس کے تخت کا حلیہ تبدیل کر دو۔ پھر جب ملکہ (مطیع ہو کر) آ گئی تو سلیمانؑ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟" وہ کہنے لگی: "یہ تو گویا ہو بہو وہی ہے۔ اس ملکہ سے کہا گیا کہ "محل میں چلو" جب اس نے دیکھا تو سمجھی یہ پانی کا ایک حوض ہے چنانچہ اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا۔ سلیمانؑ نے کہا: "یہ تو شیشے کا چکنا فرش ہے۔ ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام سے متاثر ہوئی اور اسلام قبول کر لیا۔

اقتباس نمبر 5:

جن نے خبر سنی سمندر سے چھلانگ لگا کر باہر آ گیا خوش ہونے لگا اسے باندھ کر حضرت کے سامنے پیش کر دیا جن نے معافی مانگی حضرت نے گھوڑے لانے کے لئے کہا جن چالیس گھوڑے باندھ کر لے آیا جو حسین خوبصورت بانکے تھے۔ ملکہ خوش ہو گی حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا ان کے پر کاٹ دیئے جائیں۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس قمر علی عباسی کے تحریر کردہ سبق "ملکہ بلقیس کا محل" سے لیا گیا ہے یہ سبق "قمر علی عباسی" کی کتاب "عمان کے مہمان" سے ماخوذ ہے۔

تشریح:

ایک دن ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کہا، آپ تخت پر آسمان میں اڑتے جگہ جگہ جاتے ہیں، میں سات دریاؤں کے جزیرے میں جانا چاہتی ہوں جہاں دریائی گھوڑے ہوتے ہیں، پروں سے ہوا میں اڑتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ملکہ کو لے کر ایک جزیرے میں پہنچے۔ وہاں حسین جھیل تھی۔ سبزہ گل میوہ جات تھے۔ ملکہ نے دریائی اڑنے والے گھوڑوں کی فرمائش کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا۔ جن ہاتھ بند کر کھڑے ہو گئے، یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ لیکن ایک جن ہے جو آپ سے نافرمانی کر کے سمندر میں جا چھپا ہے۔ اگر اسے اطلاع دی جائے کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے وہ آ جائے گا۔ اس کے اختیار میں اڑنے والے گھوڑے پکڑنے کا فن ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اجازت دے دی۔ جن نے خبر سنی سمندر سے چھلانگ لگا کر باہر آ گیا۔ خوش ہونے لگا۔ اسے باندھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیا۔ جن نے معافی مانگی حضرت سلیمان علیہ السلام نے گھوڑے لانے کے لئے کہا۔ جن 40 گھوڑے باندھ کر لے آیا جو حسین خوبصورت بانکے تھے۔ ملکہ خوش ہو گئی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا: "ان کے پر کاٹ دیئے جائیں"۔

ایسا ہی ہوا۔ کہتے ہیں کہ موجودہ سب تازی نسل کے گھوڑے وہی پروں والے دریائی گھوڑے ہیں۔ ملکہ بلقیس کو ملکہ سبا کہا جاتا ہے۔ طویل عرصے انھوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار دی۔

JOIN FOR MORE!!!

خط غالب بہ نام میر مہدی مجروح

خطوط غالب

نامہ نگار: مرزا اسداللہ خان غالب

مکتوب الیہ: میر مہدی مجروح

تعارف نامہ نگار:

مرزا غالب عظیم شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ مخصوص منفرد اور جدید خطوط نگاری کے موجد تھے۔ خطوط میں بے تکلفی، سادگی، اختصار و جامعیت، جزئیات نگاری، نکتہ نگاری اور مزاح و ظرافت کو اپنانے، مختلف اسالیب بیان مہارت سے کھپانے اور انہیں اپنی سوانح حیات اور اپنے زمانے کی تاریخ بنانے والے وہ منفرد دانشور ہیں، جن کے خطوط اردو نثر میں نیا تجربہ اور نقش اول ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنے اس موقف کو سچ کر دکھایا کہ ان کی خطوط نگاری شاعری کی طرح ان کے دعویٰ کی سچائی پیش کرتی ہیں کہ

ادائے خاص سے غالب ہوا نکتہ سرا
صدائے عام ہیں یاران نکتہ دان کے لیے

تعارف مکتوب الیہ:

میر مہدی مجروح میر حسن نگار کے بیٹے اور غالب کے عزیز ترین شاگردوں میں سے تھے۔ غدر دہلی میں دلی چھوڑ کر پانی پت چلے گئے۔ پھر بسلسلہ ملازمت الور منتقل ہو گئے۔ آخری زمانے میں نواب حامد علی خان والی رامپور نے سرپرستی کی۔ آپ ایک عمدہ مرثیہ گو تھے غالب کے خطوط کے مجموعے "عود ہندی" اور "اردوے معلیٰ" میں ان کے نام غالب کے بہت سے خطوط ہیں یہ خط بھی ان میں شامل ہے۔

اقتباس نمبر 1:

ہاں صاحب تم کیا چاہتے ہو۔ مجتہد العصر کے مسودہ کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور کیا لکھوں تم میرے ہم عمر نہیں جو سلام لکھوں۔ فقیر نہیں جو دعا لکھوں۔ تمہارا دماغ چل گیا ہے لفافہ کو کریدا کرو۔ مسودہ کو بار بار دیکھا کرو۔ پاؤ گے کیا۔ یعنی تم کو وہ محمد شاہی روشیں پسند ہیں۔

حوالہ سبق و مصنف:

مندرجہ بالا اقتباس مرزا اسداللہ غالب کے تحریر کردہ خط "بہ نام میر مہدی مجروح" سے لیا گیا ہے اس خط کے نامہ نگار "مرزا اسداللہ غالب " ہے۔

تشریح:

مرزا غالب اپنے شاگرد میر مہدی مجروح کو یہ خط ۲۲ ستمبر سن ۱۸۶۱ء کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ہاں صاحب! تم کیا چاہتے ہو؟ مجتہد عصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا غالب نے اس خط کا آغاز بڑی بے تکلفی سے کیا ہیں اور غالب نے خطوط نگاری میں نئے انداز کا تذکرہ کیا ہے۔ لمبے چوڑے القابات، حال احوال، خیر و عافیت پوچھنے کی روایت اور خط میں لکھنے کا طریقہ قدیم ہے۔ جو بات مطلوب ہو، وہی بات خط میں لکھی جائے۔ صرف ضروری باتوں کو بیان کیا جائے، غیر ضروری باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

ہاں صاحب! آپ کیا چاہتے ہیں؟ اپنے زمانے کے مجتہد کی لکھی ہوئی کتاب جس کی ابھی درستی باقی ہو، کی اصلاح کر کے بھیج دیا۔ اب مزید کیا لکھوں؟ آپ میرے ہم عمر بھی نہیں کہ میں آپ کو سلام لکھوں۔ آپ کو شاہی روش جو کہ خط کا روایتی انداز اور بادشاہ کے دور کا انداز ہے پسند ہے۔ لیکن یہ روش غالب کو پسند نہیں، میں بے تکلف خط لکھنے کو ترجیح دیتا ہوں اور فقیر بھی نہیں کہ جو آپ کو لمبی چوڑی دعائیں لکھوں۔ مسودے یعنی وہ کتاب جس کی ابھی تک تصحیح نہیں ہوئی، اُسے بار بار پڑھا کرو، اور

دیکھا کرو،تو سمجھ میں آجائے گی۔لگتا ہے آپ سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔کافی عرصے بعد آپ کا خط پہنچا آپ کا خط دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔تصحیح اور اصلاح کے بعد مسودہ بھیجا جاتا ہے میر سرفراز حسین کو یہ مسودہ دینا اور ان سے دعاؤں کا کہنا۔اور کوشش کیا کروں گا ہمیشہ اسی طرح خط لکھتے رہا کرو۔

اقتباس نمبر2:

چاہ آب ہے۔ابر بے باراں ہے۔نخل بے ثمر ہے۔خانہ بے چراغ ہے۔چراغ بے نور ہے۔ہم جانتے ہیں تم زندہ ہو تم جانتے ہو ہم زندہ ہیں۔امر ضروری لکھ لیا۔زوائد کو اور وقت پر موقوف رکھا۔اور اگر تمہاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے۔

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس مرزا اسداللہ غالب کے تحریر کردہ خط "بہ نام میر مہدی مجروح" سے لیا گیا ہے اس خط کے نامہ نگار "مرزا اسداللہ غالب " ہے۔

تشریح:

غالب نے اردو خطوط لکھنے میں جدید طرز اختیار کیا وہ اس کے موجد بھی ہیں خطوط نویسی میں ان کا مقابلہ کوئی نہیں انہوں نے خطوط نگاری کی قدیم روایت پر تنقید کی ہے اور فرمایا کہ یہ اب قابل استعمال نہیں ہیں پرانے خطوط جو بادشاہوں کے دور کا طریقہ تھا کیا ہی اچھا تھا جب تک قدیم طریقہ اختیار نہ کروں تو وہ خط ہی نہیں اس اقتباس میں مرزا غالب نے خطوط نگاری کی قدیم روایت پر تنقید کی ہے کہ خط کا قدیم انداز ایسا کنواں بچو خشک ہو گیا ہے، یہ ایسا بادل ہے جس میں پانی نہیں اور جس سے بارش کی امید بھی نہ ہو۔اور ایسا درخت جس کا کوئی فائدہ نہ ہو اور وہ پھل بھی نہ دیتا ہو۔ایسے گھر کی مانند ہے جو ویران ہو چکا ہو۔ایسا چراغ جس میں روشنی نہ ہو۔خط میں غیر ضروری باتوں سے گریز کیا جائے۔اتنا کافی ہے کہ آپ کو میرے زندہ ہونے اور مجھے آپ کے زندہ ہونے کے بارے میں معلوم ہو۔خط میں اہم اور ضروری باتیں لکھ دی گئی ہیں، زائد باتیں بعد میں کسی خط میں لکھ دی جائیں گی۔اور اگر آپ کی خوشی اسی طرح کی تحریر پر منحصر ہے تو میں نے ساڑھے تین سطریں لکھ دی ہیں۔اگر کوئی غلطی ہو تو معاف کیجیے گا۔خفا نہ ہوئیے گا۔

اقتباس نمبر3:

"شہر چپ چاپ، نہ کہیں پھاوڑا بجتا ہے، نہ سرنگ لگا کر کوئی مکان اڑایا جاتا ہے، نہ آہنی سڑک آتی ہے، نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے۔دلی شہر خموشاں ہے۔"

حوالہ سبق ومصنف:

مندرجہ بالا اقتباس مرزا اسداللہ غالب کے تحریر کردہ خط "بہ نام میر مہدی مجروح" سے لیا گیا ہے اس خط کے نامہ نگار "مرزا اسداللہ غالب " ہے۔

تشریح:

اس اقتباس میں مرزا غالب دراصل 1857 کی جنگ آزادی کے بعد ہونے والی تباہی و بربادی کا ذکر فرما رہے ہیں پورا دلی بھی خاموش ہے۔آج کہیں شور کی آواز سنائی نہیں دیتی، نہ کوئی مکان گرتا ہے اور نہ ہی کوئی مکان گرایا جا رہا ہے۔اور نہ ہی سپاہیوں کے مورچے بنا کر، مکان ڈھایا جا رہا ہے۔اور نہ ہی کوئی سرنگ بنائی جا رہی ہیں، اور نہ کوئی مضبوط لوہے جیسے سڑک بن رہی ہیں اور نہ ہی اسے سڑک بنائی جا رہی ہے۔جہاں توپ چڑھائی جائے، اور نہ کہیں توپوں کے مورچے بنتے ہیں۔دلی شہر مکمل برباد ہو چکا ہے۔اب اس میں کچھ بچا ہی نہیں کہ اسے مزید برباد کیا جائے۔اب یہاں قبرستانوں جیسے خاموشی پائی جاتی ہے۔دلی شہر خاموش ہو چکا ہے۔خط لکھنے کا کاغذ بھی ختم ہو چکا ہے، کاغذ میں مزید جگہ نہیں کہ کچھ اور لکھوں، اگر کاغذ میں جگہ ہوتی تو تمہاری خوشی کی خاطر مزید کچھ اور لکھتا۔

نظم کے مرکزی خیال

حمد

ماہرالقادی (مختصر تعارف شاعر)

آپ کا اصل نام منظور حسین تھا۔انہوں نے عملی زندگی کا آغاز حیدرآباد دکن سے کیا، پھر بجنور چلے گئے۔جہاں مدینہ بجنور اور غنچہ کے مدیر رہے۔زندگی کا بڑا حصہ حیدرآباد دکن، دہلی، بمبئی میں گذرا اور پھر مستقل قیام کراچی میں رہے۔اردو کے نامور شاعر، صحافی، محقق اور نقاد تھے۔پیدائش 30 جولائی 1907ء اور وفات 12 مئی 1978ء میں ہوئی۔ماہرالقادری کی نظموں نے مسلمانانِ دکن میں بیداری پیدا کی ہے۔

تصانیف:

کاروان حجاز، یادرفتگاں، نغمات ماہر، طلسم حیات، فردوس، محسوسات ماہر

مرکزی خیال

اس نظم (حمد) کا مرکزی خیال یہ ہے کہ ماہرالقادری انسان کو دعوت دینا چاہتے ہیں کہ انسان عقل وشعور کا مالک ہے۔اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ قدرت کی خوبصورتی میں غور وفکر اور تدبر کرے۔اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں کا مشاہدہ کرے۔تاکہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کر سکے۔

شاعر کہتے ہیں کہ دنیا میں دہریے قسم کے لوگ ہیں جو اللہ کے وجود کا انکار کرتے ہیں اور یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم عقل کل ہیں۔اللہ تعالیٰ کے وجود کا اقرار کے بغیر یہ دعوے جھوٹے اور کھوکھلے ہیں اللہ کے وجود کا اقرار اور اس بات کا اقرار کہ تمام مناظر کائنات کی تخلیق اللہ ہی نیکی۔اسی میں معراج اور کامیابی ہے۔

شاعر نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی چیزوں میں غور کرنے، اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرنیا اور اپنے رب کی عبادت کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔اور ہر حال میں اپنے ہی رب کو پکارنے کی ترغیب فرمائی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

نعت

تعارف شاعر:

نام سید اقبال احمد قلمی نام اقبال عظیم والد سید مقبول عظیم عرش ہیں۔جولائی 1913ء میں یہ شاعر اور ادیب میرٹھ بھارت میں پیدا ہوئے۔22 ستمبر 2000ء کو کراچی میں وفات ہوئی۔

مختصر حالات زندگی

لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے اور آگرہ یونیورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ہندی اور بنگلہ کے اعلیٰ امتحانات پاس کیے۔ساڑھے گیارہ سال یوپی کے سرکاری مدارس میں معلمی کی۔جولائی 1950ء میں مشرقی پاکستان آئے اور تقریباً بیس سال سرکاری ڈگری کالجوں میں پروفیسر اور صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے کام کیا۔اپریل 1970ء میں بینائی زائل ہونے کے سبب اپنے اعزہ کے پاس کراچی آگئے۔

تصانیف

مضراب (غزلوں کے مجموعہ)، لب کشا (نعتوں کا مجموعہ) قاب قوسین، مشرقی بنگال میں اردو، مضراب ورباب شاعری، چراغ آخری شب شاعری

مرکزی خیال

اس نعت شریف کا مرکزی خیال کچھ یوں ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء ہیں آپ کا مرتبہ آپ کا عہدہ تمام انبیاء سے بڑا ہے۔آنحضرت ﷺ ہی وہ بابرکت ذات ہیں جن کے دنیا میں تشریف لانے سے شرک اور کفر کی تاریکی ختم ہوگئی اور ہر طرف اسلامی تعلیمات کا نور پھیل گیا۔انسانوں کا مرکز صرف رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہی ہو سکتی ہے۔ اور آپ ﷺ سے عقیدت ومحبت تمام مسلمانوں کے ایمان کا جز ہے۔جس کا اظہار بھی ضروری ہے، کیوں کہ اس عقیدت کے بغیر ہمارا ایمان مکمل نہیں ہوسکتا۔

رہے نام اللہ کا

تعارف شاعر:

یہ نظم اردو کے پہلے عوامی شاعر اور جمہوری شاعر نظیر اکبر آبادی کا شاہکار ہے۔ نظیر اکبر آبادی کو مصور فطرت بھی کہا جاتا ہے ان کی مشہور نظموں میں آدمی نامہ، پنس نامہ بنجارہ نامہ مفلسی نامہ اور روٹی وغیرہ شامل ہیں۔ صنفِ نظم مسدس ہے۔ نظیر اکبر آبادی ایک نئے اور منفرد کلام کے موجد ہیں۔ ان کی شاعری گویا فطرت کی مصوری ہے۔ انھوں نے ایسے موضوع پر طبع آزمائی کی ہے، جن کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہیں آیا۔

مرکزی خیال:

اس نظم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ نظیر اکبر آبادی انسانوں کو اس چیز سے باخبر کرانا چاہ رہے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے۔ اس کی تمام چیزیں فنا ہونے والی ہیں۔ صرف اللہ کی ذات باقی رہنے والی ہے۔ سورۃ الرحمن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ہر چیز فنا ہونے والی ہے صرف اللہ رب العزت کی ذات باقی رہنے والی ہے آسمان، زمین، چاند، سورج، ستارے، یہ بڑے بڑے بڑے محلات، ہرے بھرے باغات سب ختم ہو جائیں گے صرف اللہ کا نام باقی رہ جائے گا اس لیے انسان کو آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ بقول نظیر اکبر آبادی:

نہ عیش، نہ دکھ درد، نہ آرام رہے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

JOIN FOR MORE!!!

داستان تیاری میں باغ کی یا رب چمنِ نظم کو

تعارف شاعر:

میر حسن کا اصلی نام غلام حسن تھا۔ میر حسن کی پیدائش دہلی میں 1727ء میں ہوئی۔ یہ ایک بہترین مثنوی اور مرثیہ نگار تھے۔ بچپن سے ہی شاعری کے شوقین ہو گئے تھے۔ لکھنؤ میں ہی 1786ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی سب سے مشہور اور شاہکار مثنوی "سحر البیان" ہے۔ انہوں نے بہت سی اصناف سخن، مثنوی، غزل، قصائد، مرثیہ، رباعی، قطعات وغیرہ لکھیں۔ اردو ادب میں ان کی غزلیں ایک اونچا مقام رکھتی ہیں۔

مرکزی خیال

میر حسن نے مثنوی سحر البیان میں شہزادہ بے نظیر شہزادی بدر منیر کے عشق کی داستان بیان کی ہے کہ ایک بادشاہ تھا جسے دنیا کا ہر عیش حاصل تھا۔ لیکن وہ اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔ لیکن کچھ عرصے بعد بادشاہ کے ہاں ایک خوبصورت بیٹا پیدا ہوا۔ چوتھے برس دودھ چھڑا کر ایک نہایت خوشنما باغ میں اس کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اب باغ کی تیاری کا منظر کو اس نظم میں بیان کیا گیا ہے۔ مختلف پھولوں، درختوں کے نام ان کی خوشبوؤں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ میر حسن نے باغ کی فضا بناتے وقت پھل، پھول، درخت، خوشبو، روشنی ہوا کا حسین امتزاج کو بھی بیان کیا ہے۔ جس میں پڑھنے والا کھو کر رہ جاتا ہے۔

دیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ — ہو رشک سے جس کے لالے کو داغ
بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر گئی — چار سو اس کے پانی کی لہر

چپ کی داد

تعارف شاعر

الطاف حسین حالی کو اردو زبان کا پہلا قومی شاعر کہا جاتا ہے۔ اردو ادب میں حالی ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ حالی کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف نظم و نثر دونوں میں طبع آزمائی کی، بلکہ دونوں ہی اصناف میں اپنا لوہا منوا کر شہرت حاصل کی۔ اردو نثر میں حالی کو تنقید نگاری کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ موصوف اردو نظم کے پہلے قومی شاعر بھی ہیں۔

تصانیف:

حیات سعدی، دیوان حالی، یادگار غالب، مد و جزر اسلام

مرکزی خیال:

چپ کی داد مولانا کی نہایت مشہور نظم ہے جو آپ نے عورتوں کی خدمتوں اور مصیبتوں کے متعلق 1905 میں تحریر فرمائی۔ اس نظم میں مولانا الطاف حسین حالی نے عورتوں کو موضوع بنایا ہے اور ان کی صفات کو بیان کرتے ہوئے

ہندوستانی عورت کی سیرت اور اس کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے: اے ماؤ! بہنو! بیٹیو! دُنیا کی زینت تم سے ہے ملکوں کی بستی ہو تمہیں، قوموں کی عزت تم سے ہے، انہی کی وجہ سے ہمارے گھروں میں برکت ہے۔ عورت ہر رشتے کے اعتبار سے قابل احترام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اس کا محافظ بنایا ہے۔ حالی اس نظم میں مردوں کو درس دے رہے ہیں کہ تم اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں کی قدر کرو اور ان کی تمام ضرورتوں کو بھرپور انداز میں پورا کرو۔

JOIN FOR MORE!!!

مرد مسلماں

تعارف شاعر

علامہ اقبال وہ صاحب پیغام مفکر ہیں جنہوں نے اپنے موثر کلام کو وسیلہ بنا کر اپنی خوابیدہ قوم کو جھنجھوڑا۔ اور اسلامی انقلاب کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی تڑپ پیدا کی۔ اقبال برصغیر ہی کے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کی لازوال تہذیب کے ایک برگزیدہ مفکر اور شاعر کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔

تصانیف: ☆بانگ درا۔، ☆بال جبریل۔، ☆ضرب کلیم۔

مرکزی خیال

اقبال کو مرد مسلمان کو دعوت یہ ہے کہ "دینِ اسلام کو از سر نو نظامِ زندگی کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا جائے انہیں اس کام کے لئے بازوئے حیدر کی تلاش ہے، اور ایک ایسے مرد مومن کی تلاش ہے جو اس عظیم کام کا بیڑا اٹھا سکے۔ ان کا یہ مردِ مسلمان وہ انسانِ کامل ہے جو ایمان کے افضل ترین مقام پر فائز ہے صاحب علم و عمل ہے۔

اقبال کا کہنا ہے کہ مرد مسلمان حیات و کائنات کے قوانین کا اسیر نہیں بلکہ حیات و کائنات کو اسیر کرنے والا ہے۔ قرآن مجید نے انسانوں کو تسخیر کائنات کی تعلیم دی ہے اور مرد مومن عناصر فطرت کو قبضے میں لے کر ان کی باگ اپنی مرضی کے مطابق موڑتا ہے.

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

نوائے سروش

تعارف شاعر

احسان دانش 1914 میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے آپ کا انتقال 1982 میں ہوا۔ پیدائشی نام احسان الحق، اردو کے مقبول شاعر تھے۔انہوں نے صرف پانچویں جماعت تک تعلیم حاصل کی تھی۔اس کے بعد وہ مزدوری کر کے اپنا گذر بسر کیا کرتے تھے۔احسان دانش نے لاہور آ کر شاعری کا آغاز کیا۔ ان کی شاعری قدرت کی اور اس ماحول کی عکاسی کرتی ہے جس میں انہوں نے مزدوری کی۔ چونکہ وہ خود مزدور تھے اس وجہ سے مزدور اور کمزور طبقہ کے لوگوں کے درد کو محسوس کرتے تھے۔

مرکزی خیال

احسان دانش قوم کی تعمیر و ترقی کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ آج اس ملک کی تعمیر و ترقی میں بھی آپ ہی کو سب سے اہم کردار ادا کرنا ہے۔آپ ہی دنیا کے سامنے اپنے ملک و قوم کی شناخت ہیں اور آپ ہی کو اپنی قوم میں دوبارہ اس کی عظمت اور حیثیت کے احساس کو اجاگر کرنا ہے۔آپ اپنے بزرگوں کی امید ہیں اور اپنے بعد آنے والی نسل کے لئے ایک مثالی نمونہ۔اپنی زندگی کے ہر لمحے کو اس احساس کے ساتھ گزاریے۔کوئی وجہ نہیں کہ آپکے بزرگوں کی رہنمائی اور آپکی محنت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ اس مقام پے پہنچا دے جو ہم کھو بیٹھے ہیں۔لہٰذا فتح کی امید رکھو اور اپنے قدم آگے سے آگے بڑھاتے چلو۔شاعر اس نظم میں دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا درس دے رہے ہیں کہ انسان کو ایسی زندگی گزارنی چاہیئے جو دوسروں کو فائدہ دے۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

JOIN FOR MORE!!! سائیڈ افیکٹس

تعارف شاعر

انور مسعود (پیدائش: 8 نومبر، 1935ء) پاکستانی معروف شاعر ہیں، جو اردو، پنجابی اور فارسی میں شاعری لکھتے ہیں۔انور مسعود زیادہ تر مزاحیہ شاعری سے مشہور ہوئے۔

تصانیف:

میلہ اکھیاں دا- پنجابی (پنجاب رائٹرز گلڈ انعام یافتہ)، ☆شاخ تبسم-اردو، ☆غنچہ پھر لگا کھلنے-اردو
☆میلی میلی دھوپ-اردو، ☆اک دریچہ اک چراغ-اردو

مرکزی خیال

انور مسعود پاکستان کے ممتاز مزاح گو شاعر ہیں۔ان کی یہ مزاحیہ نظم ہے جو ایک طرف تو آپ کو مسکرانے پر مجبور کر دے گی، اور دوسری جانب یہ نظم غیر ضروری اور معمولی شکایت کی صورت میں ادویہ کے استعمال کی حوصلہ شکنی بھی کرتی ہے۔اور جدید قرض طرز علاج پر طنز بھی کیا ہے۔

اگر صرف سر درد کی بات کی جائے تو اکثر ٹی وی اسکرین کے سامنے مسلسل اور زیادہ وقت گزارنے، موسمی اثرات جیسے تیز دھوپ میں رہنے کی وجہ سے بھی سر میں بھاری پن اور درد محسوس ہو سکتا ہے، اور یہ کیفیت کچھ دیر بعد ختم ہو جاتی ہے، لیکن بعض لوگ درد کش ادویہ کے ذریعے مسئلے سے فوری نجات چاہتے ہیں جس سے بچنا چاہیے۔ جدید طریقہ علاج سے انسان کو فوراً آرام تو آ جاتا ہے۔لیکن اس کی وجہ سے وہ دوسری بیماریوں میں کبھی کبھار لاحق ہو جاتا ہے۔

اسباق کا خلاصے

قومی اتفاق

تعارف مصنف:

سید احمد بن متقی خان (17 اکتوبر 1817ء-27 مارچ 1898ء) المعروف سرسید احمد خان جدید اردو کے پہلے نثر نگار، مصلح قوم تھے۔آپ کو دوقومی نظریہ کا خالق تصور کیا جاتا ہے۔جو کہ آگے چل کر تحریک پاکستان کی بنیاد بنی۔آپ تحریک علی گڑھ کے بانی ہیں آپ نے قوم کی اصلاح کے لئے تہذیب الاخلاق جاری کیا۔

تصانیف:

اسباب بغاوت ہند، خطبات احمدیہ، تاریخ ضلع بجنور

خلاصہ:

قوم کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی پر کسی قدر غور کرنا لازم ہے۔زمانہ دراز سے جس کی ابتدا تاریخی زمانے سے بھی بالاتر ہے۔قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کسی ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفرقے کو جو صرف دنیاوی اعتبار سے تھا مٹا دیا اور ایک روحانی رشتہ قوم قائم کیا، جو ایک ؟جبل متین لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ سے مضبوط تھا۔تمام قومی سلسلے تمام قومی رشتے، سب کے سب اس روحانی رشتے کے ساتھ نیست و نابود ہو گئے اور ایک نیا روحانی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہو گیا۔اسلام میں کسی عربی کو عجمی پر کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں، بلکہ جس کسی نے کلمہ توحید کو مستحکم کیا، وہ ایک قوم ہو گیا، کیوں کہ اللہ تعالی نے خود فرمایا ہے۔

"بیشک تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اپنے بھائیوں کے مابین صلح کراؤ اور اللہ سے ڈرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

مجھے اس بات کے دیکھنے سے نہایت افسوس ہے کہ ہم سب آپس میں بھائی بھائی تو ہیں، مگر مثل برادران یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے ہیں۔آپس میں دوستی اور محبت، یک دلی اور یکجہتی بہت کم ہے۔حسد، بغض وعداوت کا ہر جگہ اثر پایا جاتا ہے، جس کا نتیجہ آپس کی نا اتفاقی ہے۔شیطان جس نے خدا سے وعدہ کیا کہ میں ضرور ان کو تیری صراط مستقیم سے ہٹا کر رہوں گا۔وہ بظاہر ایک مقدس اور نورانی حیلے سے ان روحانی بھائیوں میں نفاق ڈالنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔جس نے لا الہ الا اللہ کہا کہ وہ مسلمان ہے جس نے ہمارے قبلے کو اپنا قبلہ بنایا وہ مسلمان ہے اور جو مسلمان ہے وہ ہمارا بھائی ہے امام اعظم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے۔پس ہماری قومی ترقی کا سب سے اول مرحلہ یہ ہے کہ ہم سب آپس کی محبت سے اس عداوت اور نفاق کو یکتائی اور یکجہتی سے مبدل کریں۔انسان کے بعض امور کا تعلق اس کے اور خدا کے درمیان ہے جیسے انسان کا دل، اعتقاد، مذہب وغیرہ۔جبکہ بعض امور انسانوں میں مشترک ہیں جیسے آپس کی محبت، دوستی، مدد، ہمدردی وغیرہ جن کو قومی ہمدردی کہتے ہیں۔

اس لیے ہمیں انسان کے ذاتی معاملات کے بجائے مشترک امور سے غرض رکھنی چاہیے۔جس سے اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل بھی ہو اور قومی اتفاق اور ہمدردی بھی قائم ہو سکتی ہے۔یہی قوم کی ترقی کیلئے پہلی منزل ہے۔اس زمانے میں ہمارے قومی تنزل کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم قومی اتفاق بھول گئے ہیں کسی کو بجز ذاتی منفعت کے قومی بھلائی اور قومی مفاد کا خیال بھی نہیں آتا اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اس کو پہلے اپنی ذاتی غرض مدنظر ہوتی ہے اور قومی بھلائی کے پردے سے اس کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی جب قوم کا ہر فرد دل و جان سے قومی اتفاق کی کوشش میں شریک ہوگا تو ہم بھی اپنے ماضی کی شان حاصل کر سکیں گے۔

JOIN FOR MORE!!

زبانِ گویا

تعارف مصنف:

خواجہ الطاف حسین حالی، ہندوستان میں "اردو" کے نامور شاعر اور نقاد گذرے ہیں۔ حالی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا ابھی 9 سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، سرسید جس تحریک کے علمبردار تھے حالی اسی کے نقیب تھے۔ سرسید نے اردو نثر کو جو وقار اور اعلیٰ تنقید کے جو ہر عطا کیے تھے حالی کے مرصع قلم نے انہیں چمکایا۔

تصانیف:

مسدس حالی، حیات سعدی، حیات جاوید، یادگار غالب، مقدمہ شعر و شاعری

خلاصہ:

مولانا الطاف حسین حالی نے اس مضمون یعنی زبان گویا کو بلبل ہزار داستان کہا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ زبان ہماری عزت، ہماری ذلت اور نیک نامی اور بدنامی کا سبب بنتی ہے اس کے جھوٹ اور سچ کے نتیجے میں لاکھوں کے سر کٹے اور کروڑوں کی جانیں بچی ہیں۔ زبان دیکھنے میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے لیکن اس کی طاقت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا یہی زبان جو دل کی امین ہے یعنی زبان دل کی باتوں کو ظاہر نہیں ہونے دیتی اور یہی زبان ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ ہم کیا سوچ رہے ہیں اور ہمارے جذبات کیا ہیں۔ اسی زبان سے لوگ تقریریں کرتے ہیں نصیحتیں کرتے ہیں بزرگوں کے واقعات بیان کرتے ہیں اور یہی زبان ہے جس سے ہم جھوٹ، غیبت، چغل خوری، تہمت جیسے عیب بھی ظاہر کرتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نہایت عاجزی کے ساتھ اللہ پاک سے کہتے ہیں الٰہی اگر ہمیں رخصت گفتار ہے تو زبان کو راست گفتار دے۔ اور اگر دل پر تجھے اختیار ہے تو زبان پر ہمیں اختیار دے۔ جب تک دنیا میں رہیں سچے بن کر رہیں اور جب تیرے دربار میں آئیں تو سچے بن کر آئیں۔ یعنی الطاف حسین یہ فرمانا چاہ رہے ہیں کہ ایا اللہ! تو نے مجھے زبان دی ہے تو مجھے سچ بولنے کی توفیق عطا فرما۔ تاکہ زبان کی وجہ سے میری بدنامی نہ ہو۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اس مضمون کے ذریعے یہ ظاہر کیا ہے کہ زبان سے ہی ہماری پہچان ہے انہوں نے اس مضمون میں ایک ذمہ دار شخص کے اوصاف بیان کئے ہیں کہ ایک ذمہ دار شخص کے اندر کون کون سی خوبیاں ہونی چاہیے اس کو بیان کیا گیا ہے اور آگے کہا ہے کہ جو غیبت، چغل خوری اور عیب جوئی سے پاک رہ کر صادق و امین کے اسوہ حسنہ کو قبول کرے وہی اچھا انسان ہے۔

انہوں نے اللہ پاک سے دعا بھی کی ہے کہ اللہ پاک ہماری زبان کو ایسی زبان بنا جس سے کوئی فتنہ نہ ہو۔ وہ آگے فرماتے ہیں اے زبان جس نے تیرا کہنا مانا جو تیرا حکم بجالایا انہوں نے الزام اٹھائے اور بہت پچھتا؟ یعنی انہوں نے زبان سے کہا کہ جس نے تجھ کو اہمیت دی۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوا اور جس نے تجھ پر کنٹرول رکھا۔ جس نے تجھ کو قابو میں رکھا۔ اس کا دنیا میں نام ہوا اس کی عزت ہوئی۔ اے زبان یاد رکھ ہم تیرا کہا نہ مانیں گے ہم جان پر کھیلیں گے پر تجھ سے جھوٹ نہ بلوائے گے ہم سر کے بدلے ناک نہیں کٹوائیں گے۔ آگے فرماتے ہیں کہ ایک زبان جب گھوڑا اپنے مالک کو دیکھتا ہے تو بے اختیار ہنہناتا ہے کتا جب پیار کے مارے بے تاب ہو جاتا ہے تو اپنے مالک کے سامنے دم ہلاتا ہے یہ وہ جانور ہیں جن کے دل میں جو ہے وہی اس کے ظاہر اور باطن میں بھی ہے یعنی وہ جو کرتا ہے وہی دکھاتا ہے اور یہ زبان ہے یہ زبان بالکل الگ ہے ہم دل میں سوچتے کچھ اور ہیں زبان پر کچھ اور لاتے ہیں۔

اس لیے انہوں نے زبان کے بارے میں اللہ پاک سے دعا کی ہے کہ اللہ پاک میری زبان کو ایسی زبان بنانا کہ جب تیرے سامنے آ؟ تو اس زبان کی وجہ سے مجھے بدنامی نہ اٹھانی پڑھے تاکہ دنیا میں رہے تو سرخرو رہے جب تیرے پاس آئیں تو سرخرو ہو کر آئیں۔

JOIN FOR MOREVU

زیور کا ڈبہ

تعارف مصنف:

منشی پریم چند اردو کے مشہور ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ان کا اصلی نام دھنپت رائے ہے،لیکن ادبی دنیا میں پریم چند کے نام سے مشہور ہیں۔وہ 1880ء میں منشی عجائب لال کے ہاں پیدا ہوئے۔آپ کے والد ایک ڈاک خانے میں کلرک تھے۔پریم چند ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ نے تقریباً سات آٹھ برس فارسی پڑھنے کے بعد انگریزی تعلیم شروع کی۔پندرہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ایک سال بعد والد کا انتقال ہوگیا۔اردو کا پہلا افسانہ نگار پریم چند ہے۔اردو ادب میں یہ ایک ایسا نام ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔منشی پریم چند کا پہلا افسانوں کا مجموعہ "سوزِ وطن" کے نام سے 1908ء میں شائع ہوا۔اور ان کا قلم آخری ناول ''منگل سوتر'' کو لکھتے ہوئے بیچ میں چھوڑ کر ہی 7 اکتوبر 1936 کو ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا۔

افسانوں کے مجموعے:

(1) سوزِ وطن، (2) پریم دلچسپی جلد اول، (3) پریم دلچسپی جلد دوم، (4) پریم بتیسی،
(5) خاکِ پروانہ، (6) خواب وخیال، (7) فردوسِ خیال، (8) پریم چالیسی،
(9) آخری تحفہ، (10) زادِ راہ۔

JOIN FOR MORE!!!

خلاصہ

چندر پرکاش نے عملی زندگی کا آغاز ایک ٹیوشن سے کیا۔دراصل بی۔اے پاس کرنے کے بعد چندر پرکاش کو ایک ٹیوشن کرنے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ان کی ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔اسی سال والد بھی چل بسے۔اور پرکاش زندگی کے جو شیریں خواب دیکھا کرتا تھا،وہ مٹی میں مل گئے۔والد اعلیٰ عہدے پر تھے۔ان کی وساطت سے چندر پرکاش کوئی اچھی جگہ ملنے کی پوری امید تھی،مگر وہ سب منصوبے دھرے ہی رہ گئے۔اور اب گزر اوقات کے لئے صرف تیس روپے ماہوار کی ٹیوشن ہی رہ گئی ہے۔ والد نے کوئی جائداد نہ چھوڑی الٹا بھوک کا بوجھ اور سر پر لاد دیا۔چندر پرکاش ایک نیک اور شریف انسان تھا۔چندر پرکاش نے جب ٹھاکر صاحب کے بیٹے ویرا ندر کے لیے پانچ ہزار کے زیورات خریدے تو اتنا مہنگا زیور دیکھ کر چندر پرکاش کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال پیدا ہوا۔اور اس نے زیور کا ڈبہ ٹھاکر صاحب کے گھر سے چرا لیا جب ٹھاکر صاحب نے چندر پرکاش کو دس ہزار روپے کی نقد ضمانت کی رقم دی تو ٹھاکر صاحب کے احسانات پر اس نے وہ زیور کا ڈبہ واپس کر دیا۔جبکہ اس کی بیوی چمپا نیک سیرت عورت تھی۔لیکن دل میں بہت ہی خواہشات لیے ہوئی تھی۔جب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کے شوہر نے زیور کا ڈبہ چوری کیا ہے تو چندر پرکاش سے ناراض ہو جاتی ہے۔ جب چندر پرکاش نے وہ زیور کا ڈبہ واپس کر دیا گھر لوٹ کر پرکاش نے چمپا کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ دوڑ کر ان کے گلے سے چمٹ گئی، اور نہ جانے کیوں رونے لگی، جیسے اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مدت کے بعد گھر آ گیا ہو۔

حرف آخر: انسان کو تعلیم و تربیت حاصل کرنی چاہیے تا کہ وہ زندگی کی مشکلات کو جھیل سکے جیسے چندر پرکاش پانچ ہزار کے قیمتی زیور سے اس کی نیت بدل گئی لیکن جلد ہی اس کو تعلیم و تربیت کی وجہ سے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ زیور کا ڈبہ لوٹا دیتا ہے۔دراصل تعلیم و تربیت ہی اسے غلط فیصلے پر ملامت کرتی ہے۔

بابا نور

تعارف مصنف:

افسانہ بابا نور کے مصنف کا نام احمد ندیم قاسمی ہے اور یہ بازار حیات ماخوذ از ہے۔ احمد ندیم قاسمی (20 نومبر 1916ء تا 10 جولائی 2006ء) پاکستان کے ایک معروف ادیب، شاعر، افسانہ نگار، صحافی، مدیر اور کالم نگار تھے۔ افسانہ اور شاعری میں شہرت پائی۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ نمایاں مصنفین میں شمار ہوتا تھا اور اسی وجہ سے دو مرتبہ گرفتار کیے گئے۔ قاسمی صاحب نے طویل عمر پائی اور لگ بھگ نوے سال کی عمر میں انھوں نے پچاس سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔

تصانیف: چوپال، بگولے، برگ حنا، آبلے، سیلاب، طلوع و غروب، نیلا پتھر

خلاصہ

افسانہ بابا نور بازار حیات سے ماخوذ ہے۔ اس افسانے کے مصنف کا نام احمد ندیم قاسمی ہیں۔ جو پاکستان کے ایک معروف ادیب، شاعر، افسانہ نگار تھے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار بابا نور ہیں جو گاؤں میں رہتے ہیں اور دس سال سے ڈاک خانے کے چکر لگا رہا تھا۔ اپنے بیٹے کے خط کے بارے میں سوال پوچھتا اور یہی جواب لے کر چلا جاتا ہے کہ خط نہیں آیا۔ بے چارے کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ سرکار کی وہ چٹھی بھی تو ڈاکیا نے ہی اسے پڑھ کر سنائی تھی۔ اس میں خبر تھی کہ بابا کا بیٹا برما میں بم کے گولے کا شکار ہو چکا۔ جب سے وہ پاگل سا ہو گیا ہے۔ شریر بچوں کو پتا تھا کہ بابا نور روزانہ اپنے مرے ہوئے بیٹے کے خط کے انتظار میں ڈاک خانے جاتے ہیں لہذا بچے ان کو دیکھ کر ہنستے اور مذاق اڑاتے۔ جب بابا نور کھیتوں سے گزرتے ہوئے ڈاک خانے جا رہے تھے۔ بابا نور نے کھیت میں کام کرتی لڑکی کی تعریف اس لئے کی کہ وہ لڑکی بڑی مہارت سے گندم کی فصل میں سے گھاس کاٹ رہی ہے بابا نور اس کے دعائیں دیتے ہیں وہ لڑکی بابا نور کو لسی بھی پلاتی ہے۔ بابا نور نے دور ہی سے کسانوں کو مخاطب کیا۔ ”یہ لڑکی تو بالکل مداری ہے۔ اتنی لمبی درانتی چلا رہی ہے۔ چپے چپے پر گندم کا پودا اگ رہا ہے۔ لیکن درانتی گھاس کاٹ لیتی ہے اور گندم کو چھوتی تک نہیں۔ اس کے بعد وہاں سے آگے بڑھ کر جب تک ڈاک خانے پہنچتے ہیں تو وہاں پر پہلے سے موجود ڈاکخانہ کا منشی انہیں دیکھ کر تھوڑا سا پریشان ہو جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگ بھی کچھ پریشان سے نظر آتے ہیں ڈاکخانے کا منشی ان تمام لوگوں کو خاموش کرا دیتا ہے بابا نور پہنچتے ہی منشی سے پوچھتا ہے کہ ڈاک پہنچ گئی ہے اور کیا میرے بیٹے کی چھٹی آئی ہے جواب میں وہ منشی انہیں یہ کہتا ہے کہ ڈاک تو آ چکی ہے لیکن تمہارے بیٹے کا خط نہیں آیا یہ سنتے ہی بابا نور واپسی کے لیے پلٹ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ڈاک خانے سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔۔ منشی نے کہا کہ بابا نور بیٹے کے غم میں پاگل سا ہو گیا ہے۔ مگر خدا کی قسم، اگر آج کے بعد وہ پھر بھی میرے پاس یہی پوچھنے آیا، تو مجھے بھی پاگل کر جائے گا۔“

JOIN FOR MORE!!!

میدانِ جنگ

تعارف مصنف:

اردو ڈرامے کی باقاعدہ ابتدا لکھنو کے نواب واجد علی شاہ کے عہد میں ہوئی لیکن ڈرامے کو اردو ادب کا حصہ بنانے کا اعزاز آغا حشر کاشمیری کو حاصل ہے جنھیں 'اردو ادب کا شیکسپیئر' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۵ء میں وفات پائی۔ انھوں نے ادبی اور فنی لحاظ سے بہترین ڈرامے لکھے جن میں 'صید ہوس' 'یہودی کی لڑکی' اور 'رستم و سہراب' مشہور ہیں۔ 'رستم و سہراب' ان کا آخری ڈراما ہے جسے انھوں نے 'شاہنامہ فردوسی' سے براہ راست اردو میں منتقل کیا۔

خلاصہ

یہ ڈراما دراصل رستم اور سہراب سے ماخوذ ہے۔ اس ڈرامے کے مصنف کا نام آغا حشر کاشمیری ہے۔ جنھیں 'اردو ادب کا شیکسپیئر' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈرامے کا انجام دردناک اور خلاصہ یہ ہے کہ تقدیر کا لکھا ہر حال میں پورا ہوتا ہے۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ ایران کا مشہور سپہ سالار رستم شکار سے واپسی پر راستہ بھول کر شاہ سمنگان کے محل پہنچ جاتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات شاہ کی بیٹی تہمینہ سے ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگتے ہیں اور ان کی شادی ہو جاتی ہے۔ رستم کچھ عرصہ قیام کے بعد وہاں سے رخصت ہوتا ہے۔ جاتے ہوئے وہ تہمینہ کو ایک مہرہ (خاص قسم کا تعویذ) دیتا اور کہتا ہے کہ اگر بیٹا پیدا ہو تو یہ مہرہ اس کے بازو پر باندھ کر اسے اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ رستم کے جانے کے بعد تہمینہ کے ہاں سہراب کی ولادت ہوتی ہے لیکن وہ بیٹے کی جدائی سے بچنے کے لیے رستم کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر بھجوا دیتی ہے۔ رستم واپس نہیں لوٹتا اور ایک عرصہ بیت جاتا ہے۔ سہراب جوان ہو کر باپ سے ملنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ کچھ عرصے بعد باپ ایرانی اور بیٹا تورانی فوج کی طرف سے ایک دوسرے کے مقابل آ کھڑے ہوتے ہیں۔ سہراب آخر وقت تک رستم کا متلاشی رہتا ہے لیکن حقیقت سے پردہ اس وقت اٹھتا ہے جب وہ باپ کے ہاتھوں شکست کھا کر شدید زخمی ہوتا ہے۔ اور چند لمحوں بعد مر جاتا ہے۔ سہراب کی موت پر رستم رو رو کر شدت غم سے نڈھال ہو جاتا ہے۔ رستم بہت پریشان ہوتا ہے کہ جب تمہاری والدہ مجھ سے پوچھے گی کہ میرا لاڈلا سہراب' میرا بہادر بچہ کہاں ہے تو اپنا ذلیل منہ چھپا لینے کے سوا اور کیا جواب دوں گا۔ میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا۔ تو وہ اپنے رب سے التجا کرتا ہے۔

اے خدا اے کریم و رحیم خدا۔ اولاد باپ کی زندگانی کا سرمایہ ہوتا ہے۔ اُسے اپنے بیٹے پر فخر ہوتا ہے کہ میرا بیٹا بڑھاپے میں میری مدد کرے گا۔ اور ماں کی روح کی دولت ہے۔ یہ دولت محتاجوں سے نہ چھین' دنیا کا قانون بدل دے اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اسے بخش دے۔

بیگم کی بلی

تعارف مصنف:

امتیاز علی تاج پاکستان سے تعلق رکھنے والے اردو زبان کے معروف مصنف اور ڈراما نگار تھے۔13 اکتوبر 1900ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔انہیں بچپن ہی سے علم و ادب اور ڈراما سے دلچسپی تھی دراصل یہ ان کا خاندانی ورثہ تھا۔ابھی تعلیم مکمل بھی نہیں کر پائے تھے کہ ایک ادبی رسالہ (کہکشاں) نکالنا شروع کر دیا۔ڈراما نگاری کا شوق کالج میں پیدا ہوا۔ڈراما کے فن میں اتنی ترقی کی کہ بائیس برس کی عمر میں ڈراما (انارکلی) لکھا۔انہوں نے بہت سے انگریزی اور فرانسیسی زبان کے ڈراموں کا ترجمہ کیا (قرطبہ کا قاضی) انگریز ڈراما نویس لارنس ہاؤس مین کے ڈرامے کا ترجمہ ہے 19 اپریل 1970 کو انتقال کر گئے۔

خلاصہ

میاں صاحب ایک بلی سے بہت تنگ تھے کیونکہ جب سے وہ بلی اپنے سبز قدم میں ان کے گھر آئی تھی اس وقت سے ان کی بیگم صاحبہ کی نظر میں ان کی کچھ حیثیت نہیں رہی ہر وقت بلی بلی بلی۔۔۔کبھی بلی کو دودھ پلایا جا رہا ہے کبھی گوشت کے ٹکے۔بلی بھی ایسی چھٹی ہوئی تھی پچھلے مہینے کمبخت نے ایک چوہا پکڑ کر میاں صاحب کے تازہ ترین افسانہ پر اس کا ناشتہ کیا کہ۔بھی کچھر پر گھوم کر آتی اور اجلے بستر پر چڑھ جاتی۔ہمسائے کی مرغی کے دو چوزوں کو ٹھکانے لگایا اور قالین پر خون آلودہ پروں کا ایک اور فرش بچھا دیا۔

بلی کو وہ رات میں دریا کے کنارے چھوڑ کر آ گئے تھے اور گھر میں بیگم صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ وہ کار کے نیچے آ کر مر چکی ہے لیکن صبح بلی دوبارہ انھیں کے گھر پہنچی ہوئی تھی میاں نے بلی کو کوئلوں کی کوٹھڑی میں بند کر دیا تا کہ بیگم نہ دیکھ لے میاں صاحب کو ایک باورچی کی ضرورت ہیا ور چی گیری کا امیدوار آیا میاں امیدوار سے کہتا ہے کہ اس بلی کو ٹھکانے لگانا ہے اور اس کے بدلے میں وہ اس اٹھنی کا انعام دے گا اس پر امیدوار کہتا ہے کہ اٹھنی کے لیے یہ خون۔۔۔ نہ میاں! مجھے منظور نہیں قیامت کے دن میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔امیدوار پانچ کا نوٹ لینے کی فرمائش کرتا ہے۔میاں کہتے ہیں تمہارا سر پھر گیا ہے کیا؟ چلو ایک روپیہ لے لینا امیدوار نے کہا یہ بیگم کی بلی ہے پانچ روپے سے ایک کوڑی کم نہیں لوں گا۔میاں مجبوراً پانچ روپے دینے پر راضی ہو جاتا ہے۔جب میاں اسے بلی پکڑاتا ہے تو وہ کالی سیاہ ہوئی ہوئی تھی۔امیدوار پوچھتا ہیکہ یہ کالی کیسے ہوگئی۔اتنے میں بیوی کمرے میں داخل ہوتی ہے کہ میں کتنی پریشان ہوں بلی کی وجہ سے اور تم یہاں چھپ کر بیٹھے ہو۔زرا خیال نہیں میرے صدمے کا۔جب میں پرچ،ٹوکری وغیرہ دیکھتی ہوں اپنی بلی بہت یاد آتی ہے میاں کہتے ہیں، پھر وہی بلی، ارے بھئی! بلی تو مر گئی ہے۔بھول جاؤ اس کو اتنے میں گھر میں دیورنی داخل ہوتی ہیں۔وہ بھابھی کے صدمے کا حال پوچھتی ہیں۔میاں تمام قصہ سناتا ہے میاں بیگم کو دس روپے دیتا ہے کہ بازار جا کر گھوم پھر آؤ تا کہ تمہاری طبیعت بحال ہو جائے بیگم کار میں سوار ہو کر بنگلے سے نکل رہی تھی کہ دروازے پر ایک شریف شخص ملا اس نے ہاتھ کے اشارے سے کار کو رکوا کر ڈرائیور سے پوچھا کار میں بیگم صاحبہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں اس شخص نے جھٹ سے کپڑے تلے سے ایک چیز نکال کر بیگم صاحبہ کو پیش کی، بیگم نے جب بلی کو دیکھا تو بہت خوش ہوئیں۔یہ ہو بہو میری مرحوم بلی کی تصویر ہے بس کسی کوئلے والے کے ہاں رہ کر کالی ضرور ہو گئی ہے۔مگر نہا دھو کر بالکل مرحوم بلی جیسی ہو جائے گی۔بیگم نے دس روپے کی بلی اس شخص سے خرید لی اور بلی بیچنے والے شخص کو ملازم رکھ لیا بیگم جب یہ ماجرہ اپنے میاں کو سناتی ہے تو دیور کی ہنسی نکلتی ہے امیدوار کہتا ہے سلام میاں! آپ نے سفارش پر بھی مجھے نوکری پر نہیں رکھا تھا۔اللہ بیگم صاحبہ کو خوش رکھیں ان کی مہربانی سے آپ کی قدموں میں جگہ مل گئی۔بلی میاؤں۔ میاؤں۔ دیور کی ہنسی ۔۔۔بیگم دیکھیے! ایسی بے تکلفی سے پھر نیلگی۔گویا عرصے سے یہی رہی ہو میں بلاتی ہوں پسی پسی پسی!

تھر کی نادیہ کمانچی

تعارف مصنف:

مستنصر حسین تارڑ پاکستان کے مشہور سفر نامہ نگار ہیں۔اب تک پچاس سے زیادہ کتابیں لکھ چکے ہیں۔ان کی وجہ شہرت سفر نامے اور ناول نگاری ہے۔اس کے علاوہ ڈراما نگاری، افسانہ نگاری اور فن اداکاری سے بھی وابستہ رہے۔

ناول اور سفر ناموں کے علاوہ مستنصر صاحب نے ڈرامے بھی تحریر کیے جن میں قابل ذکر یہ ہیں: شہپر، ہزاروں راستے، پرندے، سورج کے ساتھ ساتھ ایک حقیقت ایک افسانہ۔

خلاصہ:

ہم ننگر پارکر کی جانب سفر کر رہے تھے۔کارونجھر کے سرخ چٹانی سلسلے میں سفر کا آغاز کیا آس پاس بھی آب وگیاہ چٹانی حصار بلند ہوتے تھے اور تیز ہوائیں سسکیاں بھرتی تھیں ہم واپس ہونے ہی کو تھے۔کہ ایک کھائی کی خاردار جھاڑیوں میں سے تین بچے نمودار ہو گئے بھوک کی وجہ سے ان کا رنگ جل چکا تھا ان کے ہاتھ میں درانتیاں تھیں اور وہ تیری زبان میں فریاد کرنے لگے کہ ہم ننگر پارکر کے بچے ہیں ہم اسی سلسلے کی کوکھ میں اگنے والے درخت کی ٹہنیاں توڑتے اور انہیں جمع کرتے ہیں انکو ننگر پارکر کے بازار میں فروخت کرتے ہیں کچھ پیسے ملتے ہے۔ان میں ایک بچی جو آٹھ دس برس کی ہوگی جو اپنی تھر کی زبان میں بول رہی تھی کہ سائیں کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین پہاڑی وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں وہاں تک چٹانوں کو تاپی کودتی صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہوں۔جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آسکتی ہوں۔واقعی وہ بھاگتی ہوئی ہمارے پاس آگئی پورے پانچ منٹ میں۔ اور وہ ہانپ نہیں رہی تھی اس کا سانس چڑھا ہوا نہیں تھا اس کا نام پوچھا کہ کیا نام ہے اس نے اپنا نام بتایا کہ میرا نام نادیہ ہے یہ کھاری سے لکڑیاں چنتی تھی درانتی سے خشک جھاڑیاں اور گھاس کاٹتی تھی ننگر پارکر کے بازار میں بیچتی۔دس بیس اور کبھی سو روپے مل جاتے تھے یہاں جو لوگ آتے تھے سیر کرنے تو انہیں کرتب دکھاتی پانچ منٹ میں جھنڈے کو ہاتھ لگا کر واپس آجاتی تھی اور وہ کچھ پیسا نعام کے طور پر دیتے تھے کبھی نہیں دیتے تھے۔کیا دوسرے بچے بھی چٹان کی بلندی پر پہنچ کر صرف پانچ منٹ میں واپس بھی آجاتے ہیں اس نے بولا نہیں صرف میں ہوں، ایتھوپیا کا ننگے پاؤں والا بکیلا کا مصنف نے ذکر کیا ہے۔وہ روزانہ اولمپک لیے کی طویل ترین دوڑ مراتھون سے بھی زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے۔اس کی مناسب ٹریننگ کی گئی اور اسے ایتھوپیا کی جانب سے روم اولمپک میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیا۔وہ سونے کا تمغہ جیت کر واپس اپنے ملک گیا تو اس ملک کے پہلے سونے کا تمغا جیتنے والے کے لئے استقبال کے لیے پورا ملک امڈ آتا۔تھر کی نادیہ کمانچی جو لکڑیاں چننے والے تھر کی بچی نادیہ کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو مراتھون یا کسی ہرڈل ریس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے اولمپک کی نوعیت کا پہلا گولڈ میڈل حاصل کر سکتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!

ملکہ بلقیس کا محل

تعارف مصنف:

قمر علی عباسی ایک نامور صحافی، عالمی شہرت یافتہ سفرنامہ نگار اور کالم نگار تھے۔ پاکستان میں قمر علی عباسی وہ ادیب ہیں جنھوں نے سب سے زیادہ سفرنامے لکھے۔ ان سفرناموں میں لندن لندن، دلی دور ہے، چلا مسافر سنگاپور، امریکا مست جائیو وغیرہ

قمر علی عباسی نے بچوں کے لیے بھی متعدد کتابیں تحریر کیں جن میں رحم دل ڈاکو، بہادر شہزادہ، سمندر کا بیٹا، کائیں کائیں، میاؤں میاؤں، ہمارا پاکستان قابل ذکر ہیں۔

خلاصہ

یہ سفرنامہ قمر علی عباسی کی کتاب عُمان کے مہمان سے ماخوذ از ہے۔ قمر علی عباسی اس سفرنامے میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ بلقیس کا قصہ بیان فرما رہے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار سجا ہوا تھا انسان، جن، چرند، پرند سب حاضر تھے۔ سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: ''کیا بات ہے مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ (ایسی ہی بات ہوئی) تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا وہ میرے سامنے کوئی معقول وجہ پیش کرے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ (ہدہد آ گیا اور) کہنے لگا: ''میں نے وہ کچھ معلوم کیا ہے جو ابھی تک آپ کو معلوم نہیں، میں شہر سبا سے متعلق ایک یقینی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکمرانی کرتی ہے جسے سب کچھ عطا کیا گیا ہے اور اس کا تخت عظیم الشان ہے۔

میں نے (یہ بھی) دیکھا کہ وہ خود اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنے غائب ہونے کا یہ قصہ سنایا جب آپ آرام فرما رہے تھے تو میں باغ کی دیوار پر جا بیٹھا وہاں ایک اجنبی ہدہد تھا۔ اس نے بتایا کہ میں شہر سبا کا رہنے والا ہوں جہاں کے حکمران ملکہ بلقیس ہے اس کے تابع بارہ ہزار سردار ہیں ہر سردار کے پاس ایک لاکھ مرد ہوتے ہیں۔ تو ہدہد اس کے ساتھ شہر سبا چلا گیا جب اس نے بلقیس کو دیکھا کہ وہ حسن جمال میں بے مثال، عقل و فہم میں لاثانی، شان و شوکت میں باکمال، تیس گز کے تخت پر بیٹھی تھی جواہرات سے مرصع لیکن دین سے عاری تھی۔ سلیمان نے ہدہد سے کہا: یہ میرا خط لے جا اور اسے ملکہ بلقیس تک پہنچا دو۔ ہدہد کے متعلق مشہور ہے کہ جس مقام پر پانی سطح زمین سے نزدیک تر ہو اسے معلوم ہو جاتا ہے۔

''(سبا کی ملکہ) کہنے لگی: ''اے اہل دربار! میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے، میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو۔ (درباری) کہنے لگے ''ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگ جو ہیں مگر معاملہ کا اختیار تو آپ ہی کو ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں؟''۔ (ملکہ) کہنے لگی: میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کیا جواب لاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحفے قبول نہیں کیے اور پیغام بھجوایا۔

ہدہد کے متعلق مشہور ہے کہ جس مقام پر پانی سطح زمین سے نزدیک تر ہو اسے معلوم ہو جاتا ہے۔

''(سبا کی ملکہ) کہنے لگی: ''اے اہل دربار! میری طرف ایک بڑا اہم خط پھینکا گیا ہے، میرے اس معاملہ میں مجھے مشورہ دو۔ (درباری) کہنے لگے ''ہم بڑے طاقتور اور سخت جنگ جو ہیں مگر معاملہ کا اختیار تو آپ ہی کو ہے۔ آپ خود ہی غور کریں کہ آپ ہمیں کیا حکم دیتی ہیں؟''۔ (ملکہ) کہنے لگی: میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ میرے بھیجے ہوئے آدمی کیا جواب لاتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحفے قبول نہیں کیے اور پیغام بھجوایا۔

کر لیا۔ ملکہ بلقیس کو ملکہ سبا بھی کہا جاتا ہے کافی عرصے تک ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزاری۔

آب حیات

تعارف مصنف:

غلام ربانی آگرو 5 نومبر، 1933ء کو سندھ میں ضلع نوشہرو فیروز کے گاؤں محمد خان آگرو میں پیدا ہوئے۔ غلام ربانی آگرو سندھی زبان کے ممتاز افسانہ نگار اور محقق مانے ہوتے ہیں۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم حیدرآباد، سندھ سے حاصل کی اور پھر کراچی یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ اور 1957ء میں سندھی ادبی بورڈ کے اسسٹنٹ سیکریٹری مقرر ہوئے۔ 1976ء میں وہ سندھ یونیورسٹی کے پہلے پرووائس چانسلر مقرر ہوئے۔ 1980ء میں سندھی ادبی بورڈ سے بطور سیکریٹری منسلک ہوئے۔

تصانیف:

جھڑاکل گلاب جا، آب حیات، بھارت میں اردو، سندھ جا بر بحر پہاڑ، ماٹھوں شہر بھنبھور جا،
سندھی ادب تی ترقی پسند تحریک جو اثر، سندھ میں پکھین جو شکار اور خطن جو کتاب

خلاصہ:

شام کے وقت وہ نہانے کی غرض سے دریا پر پہنچا تو اُس نے مچھیرے سے کہا مجھے آپ کی کشتی میں سوار ہو کر تھوڑا دور تک جانا ہے۔ وہ کشتی پر سوار ہو کر دریا میں پانی کی فراوانی دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ مچھیرا بولا سائیں! سب نام کی برکت ہے۔ وہ بولا بھلا! وہ کیسے؟

مچھیرے نے کہا آپ پڑھے لکھے لوگ ہیں، ہماری بات پر یقین نہیں کریں گے۔ لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مہران سندھ ایک شہزادے کا نام تھا۔ اسی کے نام پر اس دریا کا نام مہران رکھا گیا۔ شہزادہ مہران بخی رحمدل عقلمند اور بچپن سے بہت ضدی اور مغرور تھا کیونکہ اس جیسا حسن جمیل کوئی اور دوسرا ملک میں نہیں تھا۔

شہزادہ مہران بخی رحمدل عقلمند اور بچپن سے بہت ضدی اور مغرور تھا کیونکہ اس جیسا حسن جمیل کوئی اور دوسرا ملک میں نہیں تھا۔ شہزادہ مہران ایک دن اپنے دوستوں کے ساتھ شکار پر گیا، شام ڈھلنے کے بعد ایک ہرن کا شکار کیا۔ شہزادہ اپنے دوستوں سے کہنے لگا۔ "جس وقت میں ہرن کی گردن پر چھری پھیرنے لگا، اس وقت میری آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے ٹکرائیں! کیا بتاؤں کہ میں نے ہرن کی آنکھوں میں کیا دیکھا؟ کہ ہرن کی آنکھیں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں جیسے نرگس کے پھول اور اپنی چمک دار جیسے آسمان میں تارے اس وقت اس کی آنکھوں میں صرف موت کا سایہ تھا۔" یوں لگتا تھا جیسے وہ کہہ رہی تھی کہ آج یا کل تمہاری بھی موت کی باری ہے۔ کھانے میں شریک ایک وزیرزادے نے سکندر اعظم کا قصہ سنایا کہ سکندر اعظم اپنے دو وزیروں کے ساتھ اسی پہاڑی کے آس پاس آب حیات کی تلاش میں نکلا ایک موقع پر تینوں بچھڑ گئے سکندر اعظم تو آب حیات سے محروم رہا۔ لیکن اس کے ساتھی آب حیات پی کر دائمی حیات پا گئے۔ وہ آج بھی بھٹکے ہو؟ کی رہنمائی کرتے ہیں۔ وزیرزادے نے آب حیات کے بارے میں بتایا کہ جس پہاڑ پر ہم بیٹھے ہیں اس میں ایک غار ہے اس غار میں ایک چشمہ ہے۔ جس کا پانی اتنا خوش بودار ہے جیسے کیوڑے کا شربت اور اتنا میٹھا جیسے آم اور شہد، اس کی رنگت دودھیا ہے، اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے دو گھونٹ سو برس کے بوڑھے کو سولہ سال کا جوان بنا دیتے ہیں اور اسے ابدی حیات مل جاتی ہے۔ اس کا نام ہے آب حیات ہے۔ سکندر اعظم کا یہ قصہ سن کر وہ بھی آب حیات کی تلاش میں نکل پڑا۔ چلتے چلتے ایک اندھیرے غار میں داخل ہوا اور آب حیات کا چشمہ پا لیا۔

غار میں شہزادے مہران کی ایک مچھلی سے ملاقات ہوئی۔ جس کے چھلکے ہاتھی کے دانت سے زیادہ سفید چمکدار اور آنکھیں سرخ مرجان جیسی تھی۔ جو خضر کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گری تھی۔ میں وہ مچھلی ہوں میں نے آب حیات پی لیا تھا۔ سو صدیاں گزر گئی ہیں اس پانی میں ہوں۔ مچھلی نے شہزادے کو نصیحت کی کہ، یہ پانی بالکل مت پینا۔ یہی تو ہے وہ آب حیات، جس کی تلاش میں تم یہاں آئے ہو۔ اور یہی وہ آب حیات ہے۔ جس کو لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور آسمانی کتابوں میں ذکر کیا گیا۔ آج اس کیدو گھونٹ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کے ذائقے سے محروم کر دیں گے اور اس کا ایک قطرہ تمہیں سولہ سال کا جوان بنا سکتا ہے اور سو برس کے

JOIN FOR MORE!!!

بڑھاپے کا دائمی عذاب بھی دے سکتا ہے۔شہزادہ مہران نے مچھلی کی باتیں سن کر ان پر عمل کیا۔اور آب حیات پیے بغیر واپس لوٹ آیا۔
اپنے ملک پہنچ کر اُس نے عام اعلان کروایا کہ آج سے عدل وانصاف کا بول بالا ہوگا۔اور کمزور ترین لوگوں کو بھی ان کے حقوق دیئے جائیں گے۔شہزادہ مہران نے پورے پانچ برس حکومت کی۔جب اس کا انتقال ہوا تو ملک کا ہر بچہ ہچکیاں لے کر ایسے رو رہا تھا۔جیسے اس کا پسندیدہ کھلونا چھین لیا گیا، ہر عورت ایسے بین کر رہی تھی جیسے اس کا جوان شوہر مر گیا ہو۔اور ہر مرد کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، جیسے اس کے جوان بیٹے کی ناگہانی موت ہوگئی ہو۔مہران کی موت کے بعد ملک کے بوڑھے جوان بچے جمع ہوگئے۔سب نے اپنی اپنی رائے دی ان میں سے ایک بزرگ نے کہاں شہزادہ مہران ہم سب کے لیے رحم وانصاف کا بادل تھا۔ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی چیز اس کے نام سے منسوب کریں جو ہم سب کے زندہ رہنے کا باعث ہو، جو قائم ودائم رہے۔اور وہ چیز یہ ہے کہ ہمیشہ سے بہتا دریا اگر یہ نہ ہوتا تو سندھ ویران اور بنجر ہو جاتا اور اس دن سے اس دریا کا نام مہران پڑ گیا۔
مچھیرے نیا بھی بات مکمل کی ہی تھی کہ کشتی دریا کے دوسرے کنارے جا لگی۔اس نے مچھیرے کو کرایہ دیا اور ایک محبت بھری نگاہ مہران پر ڈالی جس میں آب حیات ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔اور وہ پھر اپنے راستے پر روانہ ہو گیا۔

JOIN
FOR
MORE!!!

اسباق کے سوالات وجوابات

قومی اتفاق

(الف) پرانے زبان میں لفظ قوم سے کیا مراد لی جاتی تھی؟

قوم کا لفظ ایک ایسا لفظ ہے جس کے معنی پر کسی قدر غور کرنا لازم ہے زمانہ دراز سے جس کی ابتدائی تاریخی زمانے سے بھی بالاتر ہے قوموں کا شمار کسی بزرگ کی نسل میں ہونے یا کس ملک کا باشندہ ہونے سے ہوتا تھا

(ب) اسلام نے تفرقہ کو مٹا کر کون سا رشتہ قائم کیا؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تفرقے کو جو صرف دنیاوی اعتبار سے تھا مٹا دیا ایک روحانی رشتہ قوم کیا جو ایک حبل المتین لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ سے مضبوط تھا تمام قومی رشتے سب کے سب جب اس روحانی رشتے کے ساتھ نشست و نابود ہو گئے اور نیا روحانی بلکہ خدائی قومی رشتہ قائم ہو گیا اسلام میں کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری نہیں بلکہ جس کسی نے کلمہ توحید کو مستحکم کیا وہ ایک قوم ہو گیا۔

(ج) سرسید کے نزدیک قومی ترقی کا اولین مرحلہ کیا ہے؟

سرسید کے نزدیک قومی ترقی کا سب سے اول مخلہ یہ ہے کہ ہم سب آپس کی محبت سے ایک ایک عداوت اور نفاق کو یکتائی اور یکجہتی سے مبدل کریں۔

(د) یکتائی یکجہتی سرسید کی کیا مراد ہے؟

یکا یک جیتی سرسید احمد خان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے عقائد کو چھوڑ کر ایک عقیدے پر قائم ہو جائیں یہ امر تو قانون قدرت کے برخلاف ہے جو ہو نہیں سکتا نہ تو پہلے کبھی ہوا نہ آئندہ کبھی ہوگا اتفاق کے قائم رکھنے کی جس کی اہم ضرورت ہے ایک اور عقلی اور نقلی راہ ہے جس کو پیروی قومی اتحاد کا ذریعہ ہو سکتی ہے

(ہ) مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب کیا ہے؟

اس زمانے میں ہمارے قومی تنزل کا بڑا سبب یہ ہے کہ ہم قومی اتفاق بھول گئے ہیں کسی کو کو بجز ذاتی منفعت کے قومی بھلائی اور قومی مفاد کا خیال بھی نہیں آتا اگر کوئی کچھ کرتا بھی ہے تو اس کو پہلے اپنی ذاتی غرض مدنظر ہوتی ہے اور قومی بھلائی کے پردے سے اس کی پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی جب قوم کا ہر فرد دل و جان سے قومی اتفاق کی کوشش میں شریک ہوگا وہ ہمیں اپنے ماضی کی شان حاصل کر سکیں گے

(و) سرسید کے مطابق قومی اتحاد کیسے قائم کیا جا سکتا ہے؟

سرسید احمد خان کے مطابق آپس کی محبت باہمی دوستی ایک دوسرے کے اعانت ایک دوسرے کی ہمدردی ہے جس کے مجموعہ کا نام قومی ہمدردی ہے یہی ایک طریقہ ہے جسے خدا کے حکم کی بھی اطاعت اور آپس میں برادرانہ برتاو قومی اتفاق اور اتحاد قائم ہو سکتا ہے جو قومی ترقی کے لئے پہلی منزل ہے

(ز) قومی ہمدردی کے کیا فائدے ہیں؟

آپس کی نااتفاقی سے ہمارے کاموں میں برکت نہیں ہوتی جب قوم کا ہر فرد دل و جان سے قومی ہمدردی اور قومی اتفاق کی کوشش میں شریک ہوگا تو ہم بھی اپنے ماضی کی شان ان اور کامیابی حاصل کر سکیں گے۔

(ح) شخصی اتفاق اور قومی اتفاق میں کیا فرق ہے؟

شخصی اتفاق میں ذاتی غرض وعنایت ہوتی ہے اس میں قوم کی بھلائی کو مدنظر نہیں رکھا جاتا جبکہ قومی اتفاق نہیں قوم کی بھلائی آپس کی محبت قومی منفعت دوسروں کی بھلائی اور ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

زبانِ گویا

سوال نمبر 1 درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس مضمون کے آغاز میں زبان کے لئے کون کون سے الفاظ وتراکیب استعمال ہوئے ہیں؟

اس مضمون کے آغاز میں مولانا الطاف حسین حالی نے زبان کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ وتراکیب استعمال کیے ہیں: اے میری بلبل ہزار داستان! اے میری طوطی شیوا بیان! اے میری قاصد! اے میری ترجمان! اے میرے وکیل! اے میری زبان!

(ب) بچپن میں زبان کا کیا کردار بیان کیا گیا ہے؟

بچپن میں زبان کے کردار کے بارے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تو وہی زبان ہے کہ بچپن میں کبھی اپنے ادھورے بولوں سے غیروں کا جی لبھاتی تھیں اور کبھی اپنے شوخیوں سے ماں باپ کا دل دکھاتی تھی۔

(ج) کن باتوں سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے؟

مندرجہ ذیل باتوں سے زبان کی خصوصیات کو نقصان پہنچتا ہے۔

جھوٹ، غیبت، چغل خوری، تہمت، عیب جوئی، زبان کی وجہ سے بدنامی، خیانت، ہمارا لہجہ کا کڑوا ہونا یعنی بُرے اخلاق وغیرہ۔

JOIN FOR MORE!!!

(د) حالی نے زبان کی طاقت کو نمونہ قدرت الٰہی کیوں کہا ہے؟

حالی نے زبان کی طاقت کو نمونہ قدرت الٰہی کہا ہیکہ اے زبان دیکھ! اس وقت کو رایگاں مت کھو، اور اس قدرت کو خاک میں نہ ملا۔ سچ بولنا تیرا جوہر ہے۔ اور آزادی تیرا زیور، دیکھ! اس جوہر کو برباد نہ کر، اور زیور کو زنگ نہ لگا، تو دل کی ایلچی یعنی قاصد، دیکھ! دل کی امانت میں خیانت نہ کر اور روح کے پیغام پر حاشیے نہ چڑھا۔

(ہ) زبان کو منصب اور خدمت کے لحاظ سے کن صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے؟

زبان کو منصب اور خدمت کے لحاظ سے مندرجہ ذیل صفات کا حامل قرار دیا گیا ہے:

اے زبان! تیرا منصب بہت عالی ہے اور تیری خدمت نہایت ممتاز۔ کہیں تیرا خطاب کاشف اسرار ہے اور کہیں تیرا لقب محرمِ راز۔ علم ایک خزانہ غیبی اور دل اس کا خزانچی۔ حوصلہ اس کا قفل ہے اور تو اس کی کنجی۔ دیکھ اس قفل کو بے اجازت نہ کھول اور اس خزانے کو بے موقع نہ اٹھا۔ وعظ تیرا فرض ہے اور تلقین وارشاد تیرا کام۔

(و) زبان کے بہتر استعمال کے حوالے سے مصنف نے کیا دعا کی ہے

فاقے میں روزہ

سوال نمبر 1 درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) تھن شاہ کے گانے سے اکتا کر اماں حضرت نے کیا حکم صادر فرمایا؟

افطاری کے وقت تھن خان گانا گا رہا تھا اس وقت اماں حضرت قرآن شریف پڑھ رہی تھیں، ان کو یہ شور وغل ناگوار معلوم ہوا۔ اماں کی طرف سے ارشاد ہوا ہے کہ رمضان میں گانے بجانے کی محفلیں بند کر دی جائیں۔

(ب) مصاحب نے مرزا صاحب کو کیا مشورہ دیا؟

مصاحب نے مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ "حضور یہ بھی کوئی پریشان ہونے کی بات ہے، شام کو افطاری سے پہلے جامع مسجد تشریف لے جایا کیجئے۔ عجب بہار ہوتی ہے، آدمیوں کے کچھ گٹے دیکھنے میں آئیں گے۔ خدا کے دن ہے۔ خدا والوں کی بہار بھی دیکھئے"۔

(ج) "کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ" سے کیا مراد ہے؟

"کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ" ہر نئی چیز مزیدار معلوم ہوتی ہے۔ نئی چیز میں بہت لطف آتا ہے۔

(د) رمضان میں افطاری کے وقت مسجد میں کیا سماں تھا؟

افطاری کا وقت قریب آیا تو مسجد میں سیکڑوں خوان افطاری کے آنے لگے اور لوگوں میں افطاریاں تقسیم ہونے لگیں۔ خاص محل سلطانی سے متعدد خوان مکلف چیزوں سے آراستہ روزانہ جامع مسجد میں بھیجے جاتے تھے، تاکہ روزہ داروں میں افطاری تقسیم کی جائے۔ اس کے علاوہ قلعہ کی تمام بیگمات اور شہر کے سب امراء علیحدہ علیحدہ افطاری کے سامان بھیجتے تھے، اس لئے ان خوانوں کی گنتی سیکڑوں تک پہنچ جاتی تھی۔ ریشمی رنگ برنگ کے خوان پوش اور ان پر مقیشی جھالریں ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر ہوتی تھیں اور مسجد میں ان کی عجب آرائش ہو جاتی تھی۔

(ہ) مرزا صاحب کو کیا بات اچھی لگی کہ وہ باقاعدہ مسجد جانے لگے؟

مرزا صاحب نے مسجد جا کر عجب عالم دیکھا، جگہ جگہ حلقہ بنائے لوگ بیٹھے ہیں، کہیں قرآن شریف کے ورد ہو رہے ہیں حافظ آپس میں ایک دوسرے کو قرآن سنا رہے ہیں، کہیں مسائل دین پر گفتگو ہو رہی ہے۔ دو عالم کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں اور بیسیوں آدمی بیٹھے مزے سے سن رہے ہیں، کسی جگہ توجہ اور مراقبہ کا حلقہ ہے، کہیں کوئی صاحب وظائف میں مشغول ہیں، الغرض مسجد میں چاروں طرف اللہ والوں کا ہجوم ہے۔ مرزا کو یہ نظارہ نہایت پسند آیا کہ وہ باقاعدہ مسجد جانے لگے۔

(و) غدر کی تباہی کے شاہی خاندان پر اثرات بیان کریں؟

انگریزوں نے دلی پر قبضہ کر لیا تو قلعہ برباد ہو گیا شہزادوں کو قتل کر دیا گیا۔ امیروں کو پھانسیاں دی گئیں۔ بادشاہ کے تخت پر بھی قبضہ ہو گیا۔ اور شاہی خاندان کے بیگمات دربدر ہو کر ماما گیری کرنے لگی اور مسلمانوں کی شان وشوکت ختم ہو گی۔

JOIN FOR MORE!!!

تخلیقِ کائنات

سوال نمبر۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(الف) زمین سے نکلنے والے خزانوں میں پٹرولیم کی کیا اہمیت ہے؟

ہماری زمین انمول خزانوں سے بھری پڑی ہے اور ان خزانوں سے جو دولت نکلتی ہے اس میں پٹرولیم ایسی شے ہے جس کا بدل ملنا مشکل ہے جدید دنیا دراصل مشین کی دنیا ہے مشین کے لئے اس وقت تین اہم ذریعے ہیں۔ بجلی، کوئلہ اور پیٹرول، بجلی ایک جگہ قائم رہنے والی مشینوں کے لیے بہت موزوں ہے۔ لیکن زمین سے نکلنے والے خزانوں میں پٹرولیم بہت اہمیت کا حامل ہے۔

(ب) پیٹرولیم قدیم دریافت ہے دو حوالہ دے کر ثابت کیجیے؟

پیٹرول کوئی نئی دریافت نہیں ہے پرانے لوگ اس سے واقف تھے انجیل میں اس کا ذکر موجود ہے قدیم مورخ ہیروڈوٹس بابل کے قریب ایک تیل کے چشمے کا ذکر کرتا ہے یہی مورخ بیان کرتا ہے کہ جزیرہ زانٹے میں بھی ایک تیل کا چشمہ ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ دو ہزار سال گزر گئے لیکن زانٹے میں آب بھی تیل موجود ہے۔ چینی لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش سے بہت پہلے زمین کھود کھود کر تیل نکالا کرتے تھے۔

(ج) قدیم دور میں پیٹرول کس کس طرح استعمال کیا جاتا تھا؟

قدیم دور میں لوگ تیل کو جلانے کے علاوہ دوا کے کام میں لایا کرتے تھے زخموں کو اچھا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ پیٹرولیم سے جب تمام آسانی سیخارات میں تبدیل ہو جانے والے اجزاء نکل جاتے ہیں تو ایک گاڑی شے بن جاتی ہے اس کو قیر پچ کہتے ہیں اس کو قدیم زمانے میں کشتیوں کو پانی کے اثر سے بچانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

(د) رسوبی چٹانیں کیا ہے اور یہ کیسے وجود میں آتی ہیں؟

یہ جو سنگ مرمریت پتھر چونا پتھر شیل اور دوسرے قسم کے تہہ بہ تہہ جمے ہوئے پتھر ہمیں زمین کے اندر نظر آتے ہیں ان کو رسوبی چٹانیں کہا جاتا ہے۔ یہ چٹانیں اب تو خشکی میں ہیں لیکن دراصل یہ سمندر کی تہہ میں لاکھوں سال کے عمل سے تیار ہوئی ہیں۔ آج سے کروڑوں سال پہلے زمین کے حالت مختلف تھی آج جہاں خشکی ہے لوگ رستے بستے ہیں وہاں سمندر ٹھاٹھیں مارتا تھا۔

(ہ) موجودہ دور میں پٹرولیم کی کیا اہمیت ہے اور اس کے کیا کیا استعمالات ہیں؟

موجودہ دور میں پٹرولیم کی بہت اہمیت ہے دنیا کی تیز ترین مشینیں پیٹرول سے چلتی ہیں پٹرول ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے ہوائی جہاز موٹریں اور طرح طرح کی گاڑی اس کے بل پر طویل طویل فاصلے پل بھر میں طے کر لیتی ہیں خشکی تری اور ہوا میں جب کسی مشین کو آپ حرکت کرتے ہوئے دیکھیں تو یقین کیجئے کہ اس میں پیٹرولیم کسی نہ کسی صورت میں استعمال ہو رہا ہے۔

(و) پیٹرولیم کی تلاش کے لئے کس قسم کا علاقہ موزوں ہوتا ہے؟

پیٹرولیم کی تلاش کے لئے یہ لازمی ہے کہ اس جگہ مسام دار چٹانیں موجود ہوں جس میں تیل جمع رہے۔ دوسری ضروری چیز ایک غیر مسام دار چٹان ہو جو مسام دار تہہ کے اوپر ہو اور تیل کو مضبوط رکھ سکے اکثر تیل کی سطح کے نیچے سے پانی بڑے دباؤ کے تحت اوپر اٹھنا شروع ہوتا ہے اور تیل کو اپنے آگے دھکیلتا جاتا ہے اگر غیر مسام دار چٹان اس کے اوپر موجود نہ ہو تو تیل اوپر اٹھتے اٹھتے سطح زمین پر آ جائے گا اور ضائع ہو جائے گا تیسری چیز یہ ہے کہ زمین کے اندرونی بناوٹ ایسی ہونی چاہیے کہ تیل دور دور سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو جائے جائے ایسا نہ ہو تو تیل کا حاصل کرنا ناممکن ہو جائے۔

JOIN FOR MORE!!!

کچھ ذریعہ تعلیم کے بارے میں

سوال نمبر 1:اردو زبان کی ترقی میں پہلے کن لوگوں نے حصہ لیا؟

اردو زبان کی ترقی میں پہلے پہل صوفیاء کرام اور علماء عظام نے اس کی طرف توجہ دیں اور اسے برصغیر ہندو پاکستان میں تبلیغ دین کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا اور پھر اپنی تعلیمات مریدوں کی تربیت اور تصنیف وتالیف میں اختیار کی۔

سوال نمبر 2:اردو سے پہلے برصغیر پاک ہند میں فارسی زبان کا کیا مقام تھا؟

اردو سے برصغیر پاک وہند میں فارسی سرکاری دفتری زبان تھی اور یہی علمی وادبی زبان میں تھی فارسی لوگوں کے گھر میں بولی جاتی تھی بعض لوگوں کی یہ مادری یا پدری زبان تھی اور اتنی عام ہوگئی تھی کہ لوگ نہ صرف زبان میں شعر کہتے بلکہ دیوان اور مجموعے تک مرتب کرتے تھے اور علمی وادبی اور تاریخی کتابیں بھی لکھتے تھے جن کو نہ صرف اس ملک میں بلکہ ایران میں بھی ارباب بصیرت سینے سے لگاتے اور آنکھوں پر رکھتے تھے۔

JOIN FOR MORE!!!

سوال نمبر 3:فارسی کے اثر اور اقتدار نے اردو پر کیا اثرات ڈالے؟

فارسی کے اثر واقتدار نے ایک عرصے تک اردو کی ترقی کو روکے رکھا اور ایک مدت تک یہ زبان صرف روزمرہ کے کاموں اور کاروبار کے لیے استعمال ہوتی رہی فارسی کیا عربی ہماری علمی زبان تھی اور اس کے تحصیل کے بغیر ہمارے علم کا تصور ممکن ہی نہیں ہوتا تھا

سوال نمبر 4:اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے سلسلے میں ہمارے محبان قوم کا ایک طبقہ کیا کہتا ہے؟

ہمارے محبان قوم کا ایک طبقہ اور ہے جسے اپنی زبان سے بھی ہمدردی ہے لیکن ان کے خیال میں اردو ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ اسے یہ منصب سونپا جائے اس میں علمی اور فنی اصطلاحات کی کمی ہے اس میں سائنسی مضامین کو ادا کرنے کا اسلوب پیدا نہیں ہوا ہے علوم وفنون پر کتابوں کا ذخیرہ موجود نہیں ہے غرض ان کے خیال میں ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اپنی زبان میں تعلیم دینے کے مسئلے کو اٹھایا جائے

سوال نمبر 5:اردو زبان اپنی کون سی خوبی کی بنا پر جدید علوم وفنون کی تدریس کا فریضہ بخوبی سرانجام دے سکتی ہے؟

دنیا کے شاید ہی کوئی ایسی زبان ہو جو اس باب میں اردو کا مقابلہ کر سکے اس میں نئے الفاظ کے قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے اور اپنی ساخت اور مزاج کے باعث غیر زبانوں کے الفاظ اور اصطلاحات بھی اس میں بلا تکلف گھل مل جاتے ہیں ہیں اسی لیے اگر اس کو جدید علوم وفنون کی تعلیم اور تدریس کے لئے اختیار کیا جائے تو یہ اس فرض کو ادا کر سکتی ہے زبان کی ترقی کی جس منزل میں جس قسم کے خیالات کے اظہار کی ضرورت ہوتی ہے اسی قسم کے الفاظ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

سوال نمبر 6:علمی اصطلاحات کا رواج کیسے ہوتا ہے؟

بلاشبہ علمی زبان بڑی حد تک اصطلاحی زبان ہوتی ہے لیکن یہ اصطلاحات علمی ترقی کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتی ہے جن ملکوں نے سائنسی علوم میں نمایاں ترقی کی ہے ان میں کسی میں یہ نہیں ہوا کہ پہلے سارے علوم کی اصطلاحات بنالی گی ہوں اور پھر ان علوم پر کتابیں مضامین مقالات لکھے گئے ہوں بلکہ اصطلاحات ان کتابوں مضامین اور مقالات کے ذریعے سے ہی رائج ہوتی ہے اور پھر معیاری قرار پاتی ہیں اسی لئے ضروری بات یہ ہے کہ لوگ پہلے ان علوم پر کتابیں اور مقالے لکھیں اور اپنی ضرورت کے لیے اصلاحات اختیار کریں۔

زیور کا ڈبہ

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے.

(الف) چندر پرکاش نے عملی زندگی کا آغاز کس طرح کیا؟

چندر پرکاش نے عملی زندگی کا آغاز ایک ٹیوشن سے کیا۔ دراصل بی۔اے پاس کرنے کے بعد چندر پرکاش کو ایک ٹیوشن کرنے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ ان کی ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔ اسی سال والد بھی چل بسے۔ اور پرکاش زندگی کے جو شیریں خواب دیکھا کرتا تھا، وہ مٹی میں مل گئے۔ والد اعلیٰ عہدے پر تھے۔ ان کی وساطت سے چندر پرکاش کوئی اچھی جگہ ملنے کی پوری امید تھی، مگر وہ سب منصوبے دھرے ہی رہ گئے۔ اور اب گزر اوقات کے لئے صرف تیس روپے ماہوار کی ٹیوشن ہی رہ گئی ہے۔ والد نے کوئی جائداد نہ چھوڑی الٹا بھوک کا بوجھ اور سر پر لاد دیا۔

(ب) کس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ٹھاکر صاحب چندر پرکاش پر اعتبار کرتے تھے؟

ٹھاکر اور ٹھکرائن دونوں پرکاش پر اعتبار کرتے تھے اور اُس کی بڑی عزت کرتے تھے بلکہ اپنا ہی لڑکا سمجھتے تھے۔ گویا ملازم نہیں، گھر کا آدمی تھا اور گھر کے ہر ایک معاملے میں اس سے مشورہ لیا جاتا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ پرکاش نے اپنے شاگرد ویریندر کو پڑھا کر چلنے کے لئے چھڑی اٹھائی تو ٹھکرائن نے کہا، ''ابھی نہ جاؤ بیٹا، ذرا میرے ساتھ آؤ، تم سے کچھ کہنا ہے۔'' پرکاش نے دل میں سوچا، وہ کیا بات ہے جو ویریندر کے سامنے نہیں کہی جا سکتی۔ پرکاش کو علاحدہ لے جا کر امادیوی نے کہا، ''تمہاری کیا صلاح ہے۔؟ ویرد کا بیاہ کر دوں ایک بہت اچھے گھر کا پیغام آیا ہے۔''

(ج) چندر پرکاش کی ذہن میں بے ایمانی کا خیال کیسے آیا؟

چندر پرکاش نے جب ٹھاکر صاحب کے بیٹے ویراندر کے لیے پانچ ہزار کے زیورات خریدے اس کے کلیجہ پر سانپ لوٹنے لگا۔ گھر آ کر چمپا سے بولا، ''ہم تو یہاں روٹیوں کے محتاج ہیں، اور دنیا میں ایسے ایسے آدمی پڑے ہیں جو ہزاروں لاکھوں روپے کے زیورات بنواڈالتے ہیں۔ ٹھاکر صاحب نے آج بہو کے چڑھاوے کے لئے پانچ ہزار کے زیور خریدے۔ ایسی ایسی چیزوں کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں سچ کہتا ہوں۔ بعض چیزوں پر تو آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی۔''

جبکہ اس کی بیوی کے پاس کوئی زیور نہ تھا۔ اتنا مہنگا زیور دیکھ کر چندر پرکاش کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال پیدا ہوا۔

(د) چندر پرکاش نے ٹھاکر صاحب کا گھر کیوں چھوڑا؟

چندر پرکاش نے ٹھاکر صاحب کا گھر اس لئے چھوڑا اُسے یہ ڈر تھا کہ پولیس والے آ کر اس کے گھر کی تلاشی نہ لے لیں۔ اس لیے اس نے جھوٹ موٹ ایک کہانی بنائی اور ٹھاکر صاحب سے کہا۔

پرکاش: ''میں آج ہی یہ گھر چھوڑ دوں گا۔''

ٹھاکر: ''کیوں ہمیں تمہارا۔۔۔''

پرکاش: ''آپ نہ کہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ میرے سر پر بہت بڑی جواب دہی آ گئی۔ میرا دروازہ نو دس بجے تک کھلا ہی رہتا ہے۔ چور نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ ممکن ہے دو چار دن میں پھر آ گھسے۔ گھر میں اکیلی ایک عورت ہے سارے گھر کی نگرانی نہیں کر سکتی۔ ادھر وہ تو باورچی خانے میں بیٹھی ہے ادھر کوئی آدمی چپکے سے اوپر چڑھ گیا تو ذرا بھی آہٹ نہیں مل سکتی۔ میں گھوم گھوم کر کبھی نو بجے آیا کبھی دس بجے تک کھلا ہی رہتا ہے۔ چور نے راستہ دیکھ لیا ہے۔ ممکن ہے دو چار دن میں پھر آ گھسے۔ گھر میں اکیلی ایک عورت ہے سارے گھر کی نگرانی نہیں کر سکتی۔ ادھر وہ تو باورچی خانے میں بیٹھی ہے ادھر کوئی آدمی چپکے سے اوپر چڑھ گیا تو ذرا بھی آہٹ نہیں مل سکتی۔ میں گھوم

گھوم کر کبھی نو بجے آیا کبھی دس بجے اور شادی کے دنوں میں دیر ہوتی رہے گی۔ ادھر کا راستہ بند ہی ہو جانا چاہیئے۔ میں تو سمجھتا ہوں چوری ساری میرے سر ہے۔"

(ہ) ٹھاکر صاحب کے چندر پرکاش پر کسی ایک احسان کی تفصیل بتائے؟

ٹھاکر صاحب نے چندر پرکاش پر دس ہزار کی نقد ضمانت کا احسان بھی کیا۔ قصہ دراصل یوں ہے کہ:

شہر کے ایک بینک میں اسسٹنٹ منیجر کی جگہ خالی ہوئی۔ پرکاش نے اکاؤنٹنٹ کا امتحان پاس کیا ہوا تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ نقد دس ہزار روپے کی ضمانت داخل کی جائے۔ اتنی رقم کہاں سے آئے، پرکاش تڑپ تڑپ کر رہ جاتا۔

ایک دن ٹھاکر صاحب سے اس معاملے پر بات چیت چل پڑی۔ ٹھاکر صاحب نے کہا، "تم کیوں نہیں درخواست بھیجتے؟"

پرکاش نے سر جھکا کر کہا، "دس ہزار کی نقد ضمانت مانگتے ہیں۔ میرے پاس روپے کہاں رکھے ہیں۔"

"اجی درخواست تو دو، اگر اور سب امور طے ہو جائیں تو ضمانت بھی دے دی جائے گی۔ اس کی فکر نہ کرو۔"

پرکاش نے حیران ہو کر کہا، "آپ زرِ ضمانت داخل کر دیں گے؟"

"ہاں ہاں یہ کونسی بڑی بات ہے۔"

ٹھاکر صاحب نے چندر پرکاش کو دس ہزار کی نقد ضمانت کی رقم دی۔

JOIN FOR MORE!!!

(و) چندر پرکاش اور اس کی بیوی کے کرداروں کا تقابل کیجیے؟

بی۔اے پاس کرنے کے بعد چندر پرکاش کو ایک ٹیوشن کرنے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ ان کی ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔ اسی سال والد بھی چل بسے۔ اور پرکاش زندگی کے جو شیریں خواب دیکھا کرتا تھا، وہ مٹی میں مل گئے۔ چندر پرکاش ایک نیک اور شریف انسان تھا۔ ندر پرکاش نے جب ٹھاکر صاحب کے بیٹے ویرا ندر کے لیے پانچ ہزار کے زیورات خریدے تو اتنا مہنگا زیور دیکھ کر چندر پرکاش کے ذہن میں بے ایمانی کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس نے زیور کا ڈبہ ٹھاکر صاحب کے گھر سے چرا لیا جب ٹھاکر صاحب نے چندر پرکاش کو دس ہزار روپے کی نقد ضمانت کی رقم دی تو ٹھاکر صاحب کے احسانات پر اس نے وہ زیور کا ڈبہ واپس کر دیا۔ جبکہ اس کی بیوی چمپا نیک سیرت عورت تھی۔ لیکن دل میں بہت ہی خواہشات لیے ہوئی تھی۔ جب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کے شوہر نے زیور کا ڈبہ چوری کیا ہے تو چندر پرکاش سے ناراض ہو جاتی ہے۔ جب چندر پرکاش نے وہ زیور کا ڈبہ واپس کر دیا گھر لوٹ کر پرکاش نے چمپا کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ دوڑ کر ان کے گلے سے چمٹ گئی، اور نہ جانے کیوں رونے لگی، جیسے اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مدت کے بعد گھر آ گیا ہو۔

(ز) چمپا کو ایسا کیوں محسوس ہوا کہ اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مدت کے بعد گھر آیا ہے؟

چمپا نیک سیرت عورت تھی۔ لیکن دل میں بہت ہی خواہشات لیے ہوئی تھی۔ جب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کے شوہر نے زیور کا ڈبہ چوری کیا ہے تو چندر پرکاش سے ناراض ہو جاتی ہے۔ جب چندر پرکاش نے وہ زیور کا ڈبہ واپس کر دیا گھر لوٹ کر پرکاش نے چمپا کو یہ خوشخبری سنائی تو وہ دوڑ کر ان کے گلے سے چمٹ گئی، اور نہ جانے کیوں رونے لگی، جیسے اس کا بچھڑا ہوا خاوند بہت مدت کے بعد گھر آ گیا ہو۔

(ح) افسانہ نگار نے زندگی میں سچی خوشی حاصل کرنے کا کیا طریقہ بتایا ہے؟

افسانہ نگار نے زندگی میں سچی خوشی حاصل کرنے کا یہ طریقہ بتایا ہے کہ ہمیں کسی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ اگر کسی کو نقصان پہنچایا بھی ہے تو اس کی تلافی کر دی جائے۔ خدانخواستہ کسی کی چوری کی ہے تو اس کو لوٹا دی جائے۔ لوگوں کی بھلائی کے لیے کام کیے جائیں اسی سے انسان کو سچی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔

بابا نور

سوال نمبر ۱: مندرجہ ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(الف) بابا نور ڈاک خانے کے چکر کیوں لگاتا تھا؟

دس سال سے بابا نور اسی طرح ڈاک خانے کے چکر لگا رہا تھا۔ اپنے بیٹے کے خط کے بارے میں سوال پوچھتا اور یہی جواب لے کر چلا جاتا ہے کہ خط نہیں آیا۔ بے چارے کو یہ یاد ہی نہیں رہا کہ سرکار کی وہ چٹھی بھی تو ڈاکیا نے ہی اسے پڑھ کر سنائی تھی۔ اس میں خبر تھی کہ بابا کا بیٹا برما میں بم کے گولے کا شکار ہو چکا۔ جب سے وہ پاگل سا ہو گیا ہے۔

(ب) بابا نور نے کھیت میں کام کرتی لڑکی کی کیوں تعریف کی؟

بابا نور نے کھیت میں کام کرتی لڑکی کی تعریف اس لئے کی کہ گندم کے پودوں سے صفائی سے گاس کاٹ رہی تھی۔ بابا نور نے دور ہی سے کسانوں کو مخاطب کیا۔ ''یہ لڑکی تو بالکل مدادی ہے۔ اتنی لمبی درانتی چلا رہی ہے۔ چپے چپے پر گندم کا پودا اگ رہا ہے۔ لیکن درانتی گھاس کاٹ لیتی ہے اور گندم کو چھوتی تک نہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

(ج) بابا نور کا افسانے میں بیان کردہ حلیہ اپنے الفاظ میں لکھیے؟

بابا نور کا سارا لباس دھلے ہوئے سفید کھدر کا تھا۔ سر پر کھدر کی ٹوپی جو سر کے بالوں کی سفیدی سے گردن تک چڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی سفید ڈاڑھی کے بال تازہ تازہ کنگھی کی وجہ سے خاص ترتیب سے سینے پر پھیلے ہوئے تھے۔ گورے رنگ میں زردی نمایاں تھی، چھوٹی چھوٹی آنکھوں کی پتلیاں اتنی سیاہ تھیں کہ بالکل مصنوعی معلوم ہوتیں۔ لباس، بالوں اور جلد کی اتنی بہت سی سفیدی میں یہ دو کالے بھونرا نقطے بہت اجنبی سے لگتے۔

(د) کس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بابا نور کے کردار میں معصومیت دردمندی اور خیر خواہی کے عناصر موجود تھے؟

بابا نور کے کردار میں معصومیت، دردمندی اور خیر خواہی کے عناصر موجود تھے اس بات کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ بابا نور کا افسانے میں بیان کردہ حلیہ سے اجنبیت بابا نور کے چہرے پر بچپنے کی سی کیفیت طاری رکھتی تھی۔ شریر بچوں کے تنگ کرنے پر بھی بابا نور برا نہ مانتے۔ محنتی اور جفاکش بچوں سے محبت کرتے۔ دس سال سے بابا نور ڈاک خانے کا چکر لگاتے لیکن اپنے بیٹے کا خط نہ آنے پر ڈاکیا سے نہ الجھتے۔ غریبوں کی مدد کرتے۔ اور لوگوں کی ہمدردی کا احساس تھا۔ ان ہی باتوں کے پیش نظر بابا نور میں معصومیت، دردمندی اور خیر خواہی کے عناصر موجود تھے۔

(ہ) اس افسانے کا انجام ہماری فکر اور احساس پر کیا اثرات مرتب کرتا ہے؟

اس افسانے کا انجام ہمارے فکر اور احساس پر اچھے اخلاق اور ہمدردی کے اثرات مرتب کرتا ہے۔ جیسا کہ دس سال سے بابا نور ڈاک خانے کا چکر لگاتے لیکن اپنے بیٹے کا خط نہ آنے پر ڈاکیا سے نہ الجھتے۔ غریبوں کی مدد کرتے۔ اور لوگوں کی ہمدردی کا احساس کرتے۔

(و) کن باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک دیہاتی ماحول کا افسانہ ہے؟

کھیتوں کا تذکرہ، ہر ایک کو سلام دعا کرنا، کسانوں کا پگڈنڈی پر بیٹھے حقے کے کش لگانا، ہر ایک کا حال احوال لینا، اکرام میں لسی پلانا، ڈاکیا کو ہر ایک کے سوال کا جواب دینا، مولوی صاحب کا شرارتی بچوں کو سمجھانا ان باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک دیہاتی ماحول کا افسانہ ہے۔

آب حیات

(الف) شہزادہ مہران میں کون کون سی خوبیاں تھیں؟

شہزادہ مہران سخی رحمدل عقلمند اور بچپن سے بہت ضدی اور مغرور تھا کیونکہ اس جیسا حسن جمیل کوئی اور دوسرا ملک میں نہیں تھا۔

(ب) شہزاد ہ نے اپنے ساتھیوں کو کیا جواب دیا؟

شہزادہ اپنے دوستوں سے کہنے لگا جس وقت میں ہرن کی گردن پر چھری پھیرنے لگا اس وقت میری آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے ٹکرائیں کیا بتاؤں کہ میں نے حضور کی آنکھوں میں کیا دیکھا کہ ہرن کی آنکھیں اتنی خوبصورت ہوتی ہیں جیسے نرگس کے پھول اور اپنی چمک دار جیسے اسمان میں تارے اس وقت اس کی آنکھوں میں صرف موت کا سایہ تھا تھا

(ج) وزیرزادے نے آب حیات کی کیا خاصیت بیان کی؟

وزیرزادے نے آب حیات کے بارے میں بتایا کہ جس پہاڑ پر ہم بیٹھے ہیں اس میں ایک غار ہے اس غار میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی اتنا خوش بودار ہے جیسے کیوڑے کا شربت اور اتنا میٹھا جیسے آم اور شہد اس کی رنگت دودھیا ہے اور اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے دو گھونٹ سو برس کے بوڑھے کو سولہ سال کا جوان بنا دیتے ہیں اور اسے ابدی حیات مل جاتی ہے اس کا نام ہے آب حیات۔

JOIN FOR MORE!!!

(د) غار میں شہزادے مہران کی ملاقات کس سے ہوئی؟

شہزادے مہران کی ایک مچھلی سے ملاقات ہوئی جس کے چھلکے ہاتھی کے دانت سے زیادہ سفید چمکدار اور آنکھیں سرخ مرجان جیسی تھی جو خضر کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گری تھی میں وہ مچھلی ہوں میں نے آب حیات پ ءلیا سو صدیاں گزر گئی ہیں اس پانی میں ہوں۔

(ہ) مچھلی نے شہزادے کو کیا نصیحت کی؟

یہ پانی بالکل مت پینا یہی تو ہے وہ آب حیات جس کی تلاش میں تم یہاں آئے ہو اور یہی وہ ابے حیات ہے جس کو لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں اور آسمانی کتابوں میں ذکر کیا گیا آج اس کید و گھونٹ تمھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت کے ذائقے سے محروم کر دیں گے اور اس کا ایک قطرہ تمہیں 16 سال کا جوان بنا سکتا ہے اور سو برس کے بڑھاپے کا دائمی عذاب بھی دے سکتا ہے۔

و) شہزادے کی موت پر ہر آنکھ کیوں اشک بار تھی؟

شہزادہ مہران نے پورے پانچ برس حکومت کی جب اس کا انتقال ہوا تو ملک کا ہر بچہ ہچکیاں لے کر ایسے رو رہا ہے جیسے اس کا پسندیدہ کھلونا چھین لیا گیا ہر عورت ایسے بین کر رہی تھی جیسے اس کا جوان شوہر مر گیا ہو اور ہر مرد کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے جیسے اس کے جوان بیٹے کی ناگہانی موت ہو گئی ہو۔

(ز) دریا کا نام مہران کیوں رکھا گیا؟

مہران کی موت کے بعد ملک کے بوڑھے جوان بچے جمع ہو گئے سب نے اپنی اپنی رائے دی ان میں سے ایک بزرگ نے کہاں شہزادہ مہران ہم سب کے لیے رحم وانصاف کا بادل تھا ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی چیز اس کے نام سے منسوب کریں جو ہم سب کے کے زندہ رہنے کا باعث ہو جو قائم ودائم اور وہ چیز یہ ہے کہ ہمیشہ سے بہتا دریا اگر یہ نہ ہوتا تو سندھ ویران اور بنجر ہو جاتا اور اس دن سے اس دریا کا نام مہران پڑ گیا۔

میدانِ جنگ

سوال نمبر 1 درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(الف) رستم نے خدا کے حضور کیا دعا کی تھی اور اس دعا کا کیا انجام ہوا؟

رستم نے خدا کے حضور یہ دعا کی تھی کہ پروردگار میں نے کبھی تیرے قہر و غضب کو حقیر نہیں سمجھا' کبھی تیری طاقت کے سامنے اپنی فانی طاقت کا غرور نہیں کیا۔ میں نے کل ساری رات تیرے حضور سجدہ ہائے نیاز کے ساتھ آنسو بہا کر مدد کے لیے التجا کی۔ اپنے عاجز بندے کی التجا قبول کر' اس بڑھاپے میں دنیا کے سامنے میری شرم رکھ اور ایک بار میری جوانی کا زور مجھے دوبارہ واپس دے دے۔

دعا کا یہ انجام ہوا کہ رستم نے سہراب کو شکست دی۔

(ب) سہراب نے رستم کو کیا پیش کش کی اور رستم نے اس پیشکش کا کیا جواب دیا؟

سہراب نے رستم کو یہ پیش کش کی کہ اے شیر دل بوڑھے! میرا دل تیری موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار مجھے اس جنگ سے روک رہی ہے۔ تو جا۔ واپس جا اور اپنے عوض کسیاور ایرانی دلیر کو بھیج دے۔ میں تجھے زندگی اور سلامتی کے ساتھ لوٹ جانے کی اجازت دیتا ہوں

رستم نے اس پیشکش کا یہ جواب دیا کہ کل کی اتفاقی فتح پر تو غرور نہ کر۔ ہر نیا دن انسان کے لیے نئے انقلاب لے کر آتا ہے۔

(ج) یہ جاننے کے بعد سہراب رستم ہی کا بیٹا ہے رستم کی کیا کیفیت ہوئی؟

یہ جاننے کے بعد سہراب رستم ہی کا بیٹا ہے رستم کی کیفیت یہ ہوئی وہ زور و کر شدت غم سے نڈھال ہو گیا۔ اور وہ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ اس دنیا میں رونے اور چھاتی پیٹنے کے سوا میرے لیے اب اور کیا باقی رہ گیا ہے۔ مجھ سے نفرت کر۔ مجھ پر ہزاروں زبانوں سے لعنت بھیج

فغاں ہوں حسرت و ماتم ہوں سر سے پاؤں تک غم ہوں

میں ہی بیٹے کا قاتل ہوں میں ہی بد بخت رستم ہوں

وہ سہراب کے پاس زمین پر گر پڑتا ہے' سہراب اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر چھاتی سے لپٹ جاتا ہے۔

(د) سہراب اپنے مقابل یعنی رستم کی موت کیوں نہیں چاہتا تھا؟

سہراب اپنے مقابل یعنی رستم کی موت نہیں چاہتا تھا۔ اس کی موت کا خیال آتے ہی سہراب کی روح کانپ اٹھتی۔ اس کا دل اپنے والد کی موت دیکھنے کے لیے راضی نہیں ہوتا۔ ایک غیبی آواز بار بار اُسے اس جنگ سے روک رہی تھی۔

(ہ) سہراب کی موت پر رستم کے جذبات اپنے لفظوں میں بیان کیجیے؟

سہراب کی موت پر رستم رو رو کر شدت غم سے نڈھال ہو جاتا ہے۔ رستم بہت پریشان ہوتا ہے کہ جب تمہاری والدہ مجھ سے پوچھے گی کہ میرا لاڈلا سہراب' میرا بہادر بچہ کہاں ہے تو اپنا ذلیل منہ چھپا لینے کے سوا اور کیا جواب دوں گا۔ میں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا اے اللہ دنیا کا قانون بدل دے اس کی موت مجھے اور میری باقی زندگی اسے بخش دے۔

JOIN FOR MORE!!!

بیگم کی بلی

سوال نمبر ا: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(الف) بلی کا رنگ سیاہ کیسے ہوا؟

بلی کو میاں رات میں دریا کے کنارے چھوڑ کر آ گئے تھے اور گھر میں بیگم صاحب سے عرض کرتے ہیں کہ وہ کار کے نیچے آ کر مر چکی ہے لیکن صبح بلی دوبارہ انھیں کے گھر پہنچی ہوئی تھی میاں نے بلی کو کوئلوں کی کوٹھڑی میں بند کر دیا تھا اس لئے بلی کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا۔ تا کہ بیگم نہ دیکھ لے۔

(ب) امیدوار نے بیگم کی بلی کو ٹھکانے لگانے کے لیے کتنی رقم طلب کی؟

میاں صاحب کو ایک باورچی کی ضرورت ہے باورچی گیری کا امیدوار آیا میاں امیدوار سے کہتا ہے کہ اس بلی کو ٹھکانے لگانا ہے اور اس کے بدلے میں وہ اس اٹھنی کا انعام دے گا اس پر امیدوار کہتا ہے کہ اٹھنی کے لیے یہ خون۔۔۔ نہ میاں! مجھے منظور نہیں قیامت کے دن میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ امیدوار پانچ کا نوٹ لینے کی فرمائش کرتا ہے۔ میاں کہتے ہیں تمہارا سر پھر گیا ہے کیا؟ چلو ایک روپیہ لے لینا امیدوار نے کہا یہ بیگم کی بلی ہے پانچ روپے سے ایک کوڑی کم نہیں لوں گا۔ میاں مجبوراً پانچ روپے دینے پر راضی ہو جاتا ہے۔

(ج) میاں بلی سے کیوں بیزار تھا؟

میاں صاحب ایک بلی سے بہت تنگ تھے کیونکہ جب سے وہ بلی اپنے سبز قدم میں ان کے گھر آئی تھی اس وقت سے ان کی بیگم صاحبہ کی نظر میں ان کی کچھ حیثیت نہیں رہی ہر وقت بلی بلی بلی۔۔۔ کبھی بلی کو دودھ پلایا جا رہا ہے کبھی گوشت کے ٹکے۔ بلی بھی ایسی چھٹی ہوئی تھی پچھلے مہینے کمبخت نے ایک چوہا پکڑ کر میاں صاحب کے تازہ ترین افسانہ پر اس کا ناشتہ کیا کہ۔ بھی کیچڑ پر گھوم کر آتی اور اجلے بستر پر چڑھ جاتی۔ ہمسائے کی مرغی کے دو چوزوں کو ٹھکانے لگایا اور قالین پر خون آلودہ پروں کا ایک اور فرش بچھا دیا۔

(د) میاں نے بیگم کو خریداری کے لئے کیوں بھیجا؟

میاں نے بیگم کو خریداری کے لئے دس روپے دیتا ہے کہ بازار جا کر گھوم پھر آؤ تا کہ تمہاری طبیعت بحال ہو جائے۔

(ہ) بیگم نے خریداری کی رقم کا کیا کیا؟

بیگم خریداری کے لئے کار میں سوار ہو کر بنگلے سے نکل رہی تھی کہ دروازے پر ایک شریف شخص ملا اس نے ہاتھ کے اشارے سے کار کو رکوا کر ڈرائیور سے پوچھا کار میں بیگم صاحبہ ہیں؟ اس نے کہا ہاں اس شخص نے جھٹ سے کپڑے تلے سے ایک چیز نکال کر بیگم صاحبہ کو پیش کی، بیگم نے جب بلی کو دیکھا تو بہت خوش ہوئیں۔ یہ ہو بہو میری مرحوم بلی کی تصویر ہے بس کسی کوئلے والے کے ہاں رہ کر کالی ضرور ہو گئی ہے۔ مگر نہا دھو کر بالکل مرحوم بلی جیسی ہو جائے گی۔ بیگم نے دس روپے کی بلی اس شخص سے خرید لی اور بلی بیچنے والے شخص کو ملازم رکھ لیا۔

JOIN FOR MORE!!!

تھر کی نادیہ کمانچی

سوال نمبر 1: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(الف) کارونجھر پہاڑی سلسلہ کس جگہ پر واقع ہے؟

کارونجھر پہاڑی سلسلہ تھر کے پہاڑی علاقے ننگر پارکر پر واقع ہے۔

(ب) مصنف نے ننگر پارکر کی منظر کشی کس طرح کی ہے؟

مصنف نے ننگر پارکر کی منظر کشی کرتے ہوئے بتایا کہ ننگر پارکر کا کارونجھر پہاڑی سلسلہ عجب چٹانی سلسلہ تھا صحراؤں کے درمیان میں آسٹریلیا کی الورچٹان کی مانند آسمان سے اترا ہوا مقدس چٹانی سلسلہ۔۔۔۔

بظاہر خشک اور چٹیل لیکن اس کے اندر مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے ذخائر موجود تھے۔

(ج) تھر کی بچی کس بات کا دعویٰ کر رہی تھی؟

تھر کی بچی نادیہ جو آٹھ دس برس کی ہوگی۔ جو اپنی تھر کی زبان میں بول رہی تھی کہ سائیں کہ اس چٹانی سلسلے کی جو بلند ترین پہاڑی وہاں جہاں ایک جھنڈا لہرا رہا ہے میں وہاں تک چٹانوں کو ٹاپتی کودتی صرف تین منٹ میں پہنچ سکتی ہوں۔ جھنڈے کو ہاتھ لگا کر دو منٹ میں واپس آسکتی ہوں۔

(د) مصنف نے تھر کی بچی کو کس عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا؟ اور کیوں؟

مصنف نے تھر کی بچی کو مشہور عالم جمناسٹک نادیہ کمانچی عالمی شہرت یافتہ لڑکی کے مترادف مانا یہ بچی نادیہ کمانچی سے کم نہ تھی اگرچہ یہ بھی نادیہ تھی۔ رومانیہ کی نہ تھی صحرائے تھر کی تھی اور لکڑیاں بیچتی تھی۔

(و) ایتھوپیا کے کس شخص کا مصنف نے ذکر کیا ہے؟ اور کیوں؟

ایتھوپیا کا ننگے پاؤں والا بکیلا کا مصنف نے ذکر کیا ہے۔ وہ روزانہ اولمپک لمبے کی طویل ترین دوڑ مراتھون سے بھی زیادہ فاصلہ طے کرتا ہے۔ اس کی مناسب ٹریننگ کی گئی اور اسے ایتھوپیا کی جانب سے روم اولمپک میں شامل ہونے کے لیے بھیج دیا۔ یہاں تک کہ سب کھلاڑیوں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ لوگ اُس کی تعریف میں نشستوں سے کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے تھے۔

(ز) تھر کی نادیہ کمانچی کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

تھر کی نادیہ کمانچی کا کردار بہت اہم ہیں۔ وہ غریب ہونے کے باوجود محنت کش ہے۔ چہرے پر پریشانی کے آثار نہ تھے۔ اگر اس بچی جو لکڑیاں چننے والے تھر کی بچی نادیہ کو اگر مناسب تربیت دی جائے تو مراتھون یا کسی ہرڈل ریس میں شریک ہو کر پاکستان کے لیے اولمپک کی نوعیت کا پہلا گولڈ میڈل حاصل کر سکتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

ملکہ بلقیس کا محل

درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے۔

(الف) حضرت سلیمان کے دربار میں ہدہد کیوں غیر حاضر تھا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام کا دربار سجا ہوا تھا انسان انسان، جن، چرند، پرند سب حاضر تھے۔ سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے: "کیا بات ہے مجھے ہدہد نظر نہیں آرہا، کیا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے۔ (ایسی ہی بات ہوئی) تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا وہ میرے سامنے کوئی معقول وجہ پیش کرے۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ (ہدہد آ گیا اور) کہنے لگا: "میں نے وہ کچھ معلوم کیا ہے جو ابھی تک آپ کو معلوم نہیں، میں شہر سبا سے متعلق ایک یقینی خبر آپ کے پاس لایا ہوں۔ اس لئے ہدہد حضرت سلیمان کے دربار سے غیر حاضر تھا۔

(ب) ہدہد کو کیا تحفہ ملا؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو تحفہ میں اس کے سر پر تاج بنا دیا۔ جو آج تک ہدہد کے سر پر نظر آتا ہے۔ ہدہد کی متعلق مشہور ہے کہ جس مقام پر پانی سطح زمین سے نزدیک تر ہو اسے معلوم ہو جاتا ہے۔

JOIN FOR MOREW

ج) ہدہد نے ملکہ سبا کے محل کی کیا منظر کشی کی؟

شہر سبا کی حکمران ملکہ بلقیس ہے اس کے تابع بارہ ہزار سردار ہیں ہر سردار کے پاس ایک لاکھ مرد ہوتے ہیں۔ تو ہدہد اس کے ساتھ شہر سبا چلا گیا جب اس نے بلقیس کو دیکھا حسن جمال میں بے مثال، عقل و فہم لاثانی، شان و شوکت میں باکمال 30 گز کے تخت پر بیٹھی تھی جواہرات سے مرصع لیکن دین سے عاری تھی۔

(د) ملکہ سبا نے تحفۂ حضرت سلیمان علیہ السلام کو کیا کیا اشیاء بھجوائیں؟

ملکہ سبا نے تحفۂ حضرت سلیمان علیہ السلام کو قیمتی تحفوں میں سات سونے چاندی کی اینٹیں سات زربفت کے تھان بھجوائے۔

(ہ) حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کے تحفے کیوں قبول نہیں کیے؟

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تحفے قبول نہیں کیے اور ملکہ کو پیغام بھجوایا۔ اللہ نے سب کچھ دیا ہے اللہ کا دین قبول کرو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

(و) جن نے ملکہ سبا سے متعلق کیا معلومات فراہم کی تھیں؟

جن نے ملکہ سبا سے متعلق یہ معلومات فراہم کی کہ ملکہ کی ماں کا تعلق جن کے قبیلے سے ہے عقل میں کم ہے جن کی دونوں اطلاعات غلط تھیں اس کی پنڈلی پر کالے بال نہیں تھے نہ بے وقوف تھی۔

خواہ مخواہ کی لڑائی

سوال نمبر 1: درج ذیل سوالات کے جوابات دیجئے:

(الف) خواہ مخواہ کی لڑائی سے مصنف کی کیا مراد ہے؟

خواہ مخواہ کی لڑائی سے مصنف کی مراد یہ ہے کہ لڑائی چھوٹی ہو یا بڑی اگر آپ اس میں غور کریں گے تو بنیاد خواہ مخواہ کو پائیں گے۔ اصل لڑائی تو خواہ مخواہ سے شروع ہوتی ہے۔ اگر لڑائی خواہ مخواہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو تو وہ لڑائی نہیں بلکہ انتقام، بدلہ، تبادلہ خیال، بیت بازی، بحث و مباحثہ یا زیادہ سے زیادہ مقابلہ انھیں کہا جا سکتا ہے۔

(ب) لڑائی میں الجھنے اور الجھانے میں کیا فرق ہے؟

لڑائی میں الجھنے اور الجھانے میں فرق یہ ہے کہ خواہ مخواہ کی لڑائی کا تھوڑا بہت تجربہ سبھی کو ہوگا، خواہ مخواہ کی لڑائیوں میں الجھے بھی ہیں اور دوسروں کو الجھایا بھی ہے۔ لیکن خواہ مخواہ کی لڑائیمیں ناگہانی طور پر الجھ جانے میں جو لطف آتا ہے وہ کسی اور کو الجھانے میں نہیں آتا ان دونوں میں آمد اور اور د کا فرق تو خیر ہے ہی الجھ جانے میں کوئی اور ارادہ اور تیاری نہیں ہوتی۔ لیکن الجھانے میں یہ بات نہیں ہے اس میں ارادے کے ساتھ یقین بھی ہوتا ہے کہ لڑیں گے اور لڑ کر رہیں گے، بلکہ دعوت میں حصہ لینے والے کو لطف بھی آتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(ج) خواہ مخواہ کی لڑائی کا ہماری شخصیت اور ماحول پر کیا اثر ہوتا ہے؟

خواہ مخواہ کی لڑائی سے انسانی شخصیت پر برے اثرات پڑتے ہیں اور دوسروں سے تعلقات بھی خراب ہوتے ہیں خواہ مخواہ کی لڑائی میں ذرا سی بات کی تو کبھی کبھار فوراً آگ کا شعلہ بھڑک اُٹھتا ہے۔ اور ''جھگڑا'' شروع ہو جائے، اُس گھر میں امن و سکون کی فضا قائم ہونے کے بجائے ٹینشن اور پریشانی کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ خواہ مخواہ کی لڑائی میں نقصان دونوں فریقوں کا ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ کسی کا کم تو کسی کا زیادہ۔ جس میں ذرا سی بھی عقل ہوگی وہ کبھی بھی ''جھگڑے'' کو اچھا نہیں سمجھے گا، لیکن ذرا سی بات پر جھگڑنے والوں کی عقل پر نہ جانے کونسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ انہیں اپنی عزت و وقار کا احساس رہتا ہے نہ سامنے والے کی عزت کا! ''زبان درازی، دل آزاری، طنز، طعنے، تہمت لگانا، عیب کھولنا، گالم گلوچ، ہاتھا پائی جس سے انسان کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے۔

(د) خواہ مخواہ کی لڑائی سے دامن چھڑانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

خواہ مخواہ کی لڑائی سے دامن بچانے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان حتی الامکان کوشش کرے کہ کسی سے بھی نہ لڑے۔ اپنے غصے پر قابو پائے۔ اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھے۔ دوسروں کی غلطی پر درگزر کرے۔

شعری اصطلاحات

(۱)ردیف:

ردیف کے لغوی معنی ہیں گھڑ سوار کے پیچھے بیٹھنے والا۔شعری اصطلاح میں ردیف سے مراد وہ لفظ یا الفاظ کا مجموعہ ہے جو قافیے کے بعد مکرر آئیں اور بالکل یکساں ہوں۔ردیف کا ہر مصرعے میں ہونا لازمی نہیں ہے۔عام طور پر یہ غزل کے اشعار میں مصرعہ ثانی میں دہرائے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر

جذبہ شوق کدھر کو لئے جاتا ہے مجھے
پردۂ راز سے کیا تم نے پکارا ہے مجھے

اس شعر میں مجھے ردیف ہے کیونکہ یہ قافیہ کے بعد دہرایا جارہا ہے اور تبدیل نہیں ہو رہا۔ایک اور مثال پیش ہے۔

(۲) قافیہ:

قافیہ کے لغوی معنی ہیں مسلسل آنے والا۔شعری اصطلاح میں قافیے سے مراد وہ لفظ یا مجموعہ الفاظ ہے جو شعر کے آخر میں ردیف سے پہلے استعمال ہوں اور ہم آواز ہوں۔ردیف کا ہر مصرعے میں ہونا لازمی نہیں ہے۔بعض صورتوں میں شعر کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں ہر شعر کے مصرعہ ثانی میں۔

JOIN FOR MORE!!!

مثال کے طور پر

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

اس شعر میں قلم اور رقم قافیہ ہیں۔ایک اور مثال پیش ہے

(۳) صنعت تضاد:

اس صنعت کو صنعت تقابل بھی کہتے ہیں۔صنعت تضاد شاعری میں اس صفت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے ایک شعر میں دو یا دو سے زائد متضاد الفاظ استعمال کئے جائیں۔مثلاً۔زمین اور آسمان اندھیرا اور اُجالا۔

مثال کے طور پر نمونہ کلام ہے

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے
عمر یونہی تمام ہوتی ہے

اس شعر میں صبح اور شام متضاد الفاظ ہیں اس لئے اس شعر میں صنعت تضاد استعمال کی گئی ہے۔ایک اور مثال پیش ہے۔

(۴) مطلع:

مطلع لفظ طلوع سے تعلق رکھتا ہے جس کے معنی ہیں ابتداء کرنا۔شعری اصطلاح میں غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہا جاتا ہے۔عام طور پر مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔اگر ایک کے بعد دوسرا مطلع آئے تو اسے حُسنِ مطلع کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر درد کی ایک غزل کا مطلع ہے

ہے غلط گر گمان میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہے

(۵)مقطع:

مقطع لفظ قطع سے تعلق رکھتا ہے جس کے معنی ہیں تعلق توڑنا یا اختتام کرنا۔شعری اصطلاح میں غزل کے آخری شعر کو مقطع کہا جاتا ہے۔مقطع میں شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔

مثال کے طور پر غالب کی غزل کا مقطع ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب
مفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

(۶)تلمیح:

تلمیح کے لغوی معنی ہیں اِشارہ کرنا۔شعری اصطلاح میں تلمیح سے مراد ہے کہ ایک لفظ یا مجموعہ الفاظ کے ذریعے کسی تاریخی، سیاسی، اخلاقی یا مذہبی واقعے کی طرف اشارہ کیا جائے۔تلمیح کے استعمال سے شعر کے معنوں میں وُسعت اور حسن پیدا ہوتا ہے۔مطالعہ شعر کے بعد پورا واقعہ قاری کے ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔

مثالِ کے طور پر

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

مندرجہ بالا شعر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔بادشاہ نمرود آپ علیہ السلام کو آگ میں جلا دینے کی دھمکی دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے آگے سجدہ کرو۔حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کے سامنے سجدہ کرنے کے بجائے آگ میں کود پڑتے ہیں اور یہ آگ آپ علیہ السلام کے لئے گلشن بن جاتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۷)مبالغہ:

مبالغہ کے لغوی معنی ہیں حد سے بڑھنا۔شعری اصطلاح میں مبالغہ اس صفت کا نام ہے جس کے ذریعے کسی شے یا شخص کی بعید از قیاس تعریف یا مذمت کی جاتی ہے۔اگر مبالغہ صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو شعر کا حسن نکھر جاتا ہے۔

مثال کے طور پر

کل رات ہجرِ یار میں رویا میں اس قدر
چوتھے فلک پہ پہنچا تھا پانی کمر کمر

اس شعر میں شاعر نے آنسوؤں کے لئے مبالغہ استعمال کیا ہے ایسی بات بیان کی ہے جو حقیقتاً ممکن نہیں۔

(۸)تشبیہ

تشبیہ کا تعلق لفظ مشابہت سے ہے جس کے معنی ہیں کسی خصوصیت میں ایک جیسا ہونا۔اصطلاح میں تشبیہ سے مراد ہے کہ دو مختلف چیزوں کو کسی مشترکہ صفت کی بنیاد پر ایک دوسرے کی مانند قرار دیا جائے۔

ارکانِ تشبیہ

اراکینِ تشبیہ درج ذیل ہیں۔

مشبہ: جس شے یا شخص کو تشبیہ دی جائے اسے مشبہ کہتے ہیں۔

مشبہ بہ: جس شے یا شخص سے تشبیہ دی جائے اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔

حرفِ تشبیہ: جو حرف تشبیہ دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے وہ حرفِ تشبیہ کہلاتا ہیں۔

وجہ تشبیہ: جس وجہ یا صفت کی بنا پر تشبیہ دی جائے اسے وجہ تشبیہ کہتے ہیں۔

مثال کے طور پر

نازکی اس کی لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں شاعر محبوب کے ہونٹوں کو گلاب کی پنکھری سے تشبیہ دے رہا ہی۔ ارکان تشبیہ یہ ہیں۔ مشبہ: محبوب کا لب، مشبہ بہ: گلاب کی پنکھڑی، حرفِ تشبیہ: کی سی، وجہ تشبیہ: نازکی اور گلابی رنگت۔

JOIN FOR MORE!!!

(۹) استعارہ

استعارہ کے لغوی معنی ہیں ادھار لینا۔ شعری اصطلاح میں استعارہ وہ صفت ہے جس کے تحت کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنوں سے ہٹ کر کسی اور شے سے مشابہت کی وجہ سے اس کے مجازی معنوں میں استعمال کیا جائے۔

مثال کے طور پر

کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے
رن ایک طرف چرخِ کہن کانپ رہا ہے

اس شعر کہ پہلے مصرعے میں استعارہ استعمال کیا گیا اہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے شیر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

اردو ادب کی اہم اصناف

اردو ادب کی اصناف

تخلیقی ادب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

i) افسانوی ادب

ii) غیر افسانوی ادب۔

افسانوی ادب

افسانوی ادب کی چار قسمیں (داستان، ناول، افسانہ اور ڈراما) ہیں۔ ان چاروں اصناف کی مختصر وضاحت درجہ ذیل ہے۔

داستان

داستان کہانی کی سب سے اولین اور قدیم قسم ہے۔ اصطلاحِ ادب میں وہ کہانی ہے جس کی بُنیاد تخیل، رُومان اور مافوق الفطرت عناصر پر ہو، داستان کہلاتی ہے۔ پلاٹ، تخیل و رُومان، مافوق الفطرت عناصر، مثالی کردار، خطابت و رنگینیِ بیان اور تحیر انگیزی وغیرہ داستان کے بُنیادی اجزا ہیں۔ نوطرزِ مرصع، آرائشِ محفل، توتا کہانی، داستانِ امیر حمزہ، ہفتِ گلشن، باغ و بہار، رانی کیتکی کی کہانی، فسانۂ عجائب، گُلِ صنوبر، الف لیلیٰ، بوستانِ خیال، طلسمِ ہوش رُبا، طلسمِ حیرت اور سروشِ سخن وغیرہ اُردو کی معروف داستانیں ہیں۔ جب کہ عطا حسین خان تحسین، میر امن دہلوی، رجب علی بیگ، حیدر بخش حیدری، خلیل خان اشک، علی افسوس، مظہر ولا، مرزا علی لطف، للولال جی، خواجہ بدرالدین، کاظم علی جوان اور نہال چند لاہوری وغیرہ اُردو کے مشہور داستان نگار ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ناول

ناول اطالوی، زُبان کا لفظ ہے جو انگریزی کے توسط سے اُردو میں رائج ہوا۔ اصطلاح میں وہ کہانی جس کا موضوع انسانی زندگی ہو اور ناول نگار زندگی کے مختلف پہلوؤں کا مکمل اور گہرا مشاہدہ کرنے کے بعد ایک خاص سلیقے اور ترتیب کے ساتھ اپنے تجربات و مشاہدات کو کہانی کی شکل میں پیش کرے، تو اسے ناول کہتے ہیں۔ کہانی، پلاٹ، کردار، اندازِ نظر، زُبان و بیان اور منظر نگاری وغیرہ ناول کے بُنیادی فنی لوازم ہیں۔ کرداری ناول، ڈرامائی ناول، مہماتی ناول، واقعاتی ناول، نظریاتی ناول، تاریخی ناول، جاسوسی ناول اور اصلاحی ناول وغیرہ ناول کی اہم اقسام ہیں۔ مراۃ العُروس، بنات النعش، فسانۂ آزاد، فردوسِ بریں، اُمراؤ جان ادا، مُصوّرِ غم، بازارِ حُسن، ٹیڑھی لکیر، ایسی بلندی ایسی پستی، خُدا کی بستی، آگ کا دریا، شامِ اودھ، آنگن، اُداس نسلیں، علی پور کا ایلی، بستی اور راجہ گدھ وغیرہ اُردو کے مایہ ناز ناول ہیں۔ جب کہ ڈپٹی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، مرزا ہادی رُسوا، پریم چند، نسیم حجازی، قراۃ العین حیدر، بانو قدسیہ، سجاد ظہیر، عبداللہ حسین اور ممتاز مفتی وغیرہ اُردو کے مشہور ناول نگار ہیں۔

افسانہ

وہ مختصر کہانی جس میں انسانی زندگی کے کسی خاص پہلو کو مؤثر اور دل نشین پیرائے میں بیان کیا گیا ہو، افسانہ کہلاتا ہے۔ فنی لحاظ سے ایک افسانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ رمز و ایما، اختصار اور وحدتِ تاثر کا حامل ہو۔ راشد الخیری، سجاد حیدر یلدرم، حیات اللہ انصاری، پریم چند، راجندر سنگھ بیدی، عظیم چغتائی، عصمت چغتائی، سجاد ظہیر، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، غلام عباس، انتظار حسین، احمد ندیم قاسمی اور اشفاق احمد وغیرہ اُردو کے مشہور افسانہ نگار ہیں۔

ڈراما

ڈرامے کا تصور قدیم یونان سے وابستہ ہے۔لفظ ڈراما کے معنی تمثیل، ناٹک یا سوانگ کے ہیں۔ڈراما سٹیج پر فطرت کی نقالی کا ایک ایسا فن ہے جس میں اداکاروں کے ذریعے زندگی کے غیر معمولی اور غیر متوقع حالات کے عمل میں قوتِ ارادی کا مظاہرہ تماشائیوں کے روبرو ایک معین وقت اور مخصوص انداز میں کیا جاتا ہے۔مختصراً یوں سمجھیے کہ ڈراما وہ کہانی ہے جو مختلف کردار اپنی گفت گو اور اپنے عمل کے ذریعے سٹیج پر پیش کرتے ہیں۔ڈرامے کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔

پہلا 1۔سٹیج 2۔تماشائی 3۔پلاٹ 4۔تصادم اور کش مکش 5۔کردار 6۔مکالمہ 7۔تجسس 8۔نقطۂ عروج 9۔موسیقی۔ڈرامے کی دو اقسام (المیہ اور طربیہ) ہیں۔جو ڈراما الم ناک انجام سے دوچار ہو اسے المیہ کہتے ہیں۔ایسے ڈراموں کے واقعات دردانگیز اور الم ناک ہوتے ہیں۔جس کا انجام پُرمسرت اور خوش کُن حالات میں ہو اسے طربیہ کہتے ہیں۔رادھا کنہیا، اِندر سبھا، رُستم وسہراب، تُرکی حُور، یہودی لڑکی، اکبر، قاسم وزُہرا، شہیدِ وفا، مُرقع لیلیٰ ومجنوں، انارکلی، لہو اور قالین، پسِ پردہ، اور شیشے کی دیوار وغیرہ اُردو کے معروف ڈرامے ہیں۔جب کہ واجد علی شاہ، امانت لکھنوی،

غیر افسانوی ادب کی تمام اصناف کی مختصر وضاحت درجہ ذیل ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

مقالہ

کسی خاص موضوع پر علمی وتحقیقی انداز میں تحریری اظہارِ خیال کو مقالہ کہتے ہیں۔دنیا کے ہر موضوع پر مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔مذہبی علما نے متعدد مذہبی موضوعات پر اعلیٰ پائے کے تحقیقی مقالے لکھے ہیں۔ان میں مولانا شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، ابوالکلام آزاد، عبدالماجد دریابادی، مناظر احسن گیلانی، ابوالحسن علی ندوی اور امین احسن اصلاحی وغیرہ کی محققانہ تحریروں میں ایک عالمانہ شان پائی جاتی ہے۔

مضمون

کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات واحساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔مقالہ اور مضمون درحقیقت ایک ہی صنف کے دو روپ ہیں۔دونوں کے مابین فرق صرف یہ ہے کہ مقالہ نسبتاً طویل اور عالمانہ ہوتا ہے۔مقالے میں مضمون کی نسبت زیادہ گہرائی ہوتی ہے اور وہ زیادہ ٹھوس اور جامع ہوتا ہے۔جب کہ مضمون قدرے مختصر ہوتا ہے۔اس کا انداز تاثراتی اور مفہوم سادہ ہوتا ہے۔

سوانح عمری

یہ وہ صنفِ ادب ہے جس میں کسی بھی فرد کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے تمام واقعات، اس کی ذہنی وعقلی نشوونما کے مختلف مراحل اور اس کے شخصی کارناموں وغیرہ کو تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔شبلی نعمانی، الطاف حسین حالی، مولوی ذکاء اللہ، سید سلیمان ندوی، عبدالحئی، مرزا حیرت دہلوی، محمد دین فوق، عبدالرزاق اور ایوب مرزا وغیرہ اُردو کے مشہور سوانح نگار ہیں۔

آپ بیتی

اپنی زندگی کے احوال وواقعات کا بیان آپ بیتی کہلاتا ہے۔اسے خودنوشت بھی کہتے ہیں۔آپ بیتی محض احوال وواقعات کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات لکھنے والے کی داخلی کیفیات، دِلی احساسات، شخصی اور عملی تجربوں، زندگی کے جذباتی پہلوؤں اور بحیثیتِ مجموعی زندگی کے بارے میں اس کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتی ہے۔??? ملیح آبادی، حکیم احمد شجاع، قدرت اللہ شہاب، ایوان سنگھ مفتون، حسین احمد مدنی، شاد عظیم، عبدالمجید سالک، حسرت موہانی، رشید احمد صدیقی، عبدالماجد دریا آبادی، احسان دانش، شورش کاشمیری اور قرۃ العین حیدر وغیرہ نے اُردو زُبان میں اپنی دل چسپ اور بُلند پایہ آپ بیتیاں تحریر کی ہیں۔

تنقید

اصطلاح میں کسی بھی ادب پارے کے محاسن ومعائب کا صحیح صحیح اندازہ کرنا اور جانچ پرکھ کے بعد اس پر اظہارِ رائے کرنے کے عمل کو تنقید کہا جاتا ہے۔تنقید ایک ایسا فن ہے جو بظاہر بالکل آسان اور سطحی نظر آتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک عمیق اور ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی مانند ہے جس میں لہروں کا تلاطم اور طوفان کا شور ہے۔جہاں تیرنا دُشوار اور قدم جمانا مُشکل ہے۔تنقید کا مقصد زندگی کو درست سمت فراہم کرنا ہے۔ سچی اور کھری تنقید دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیتی ہے۔تنقید قدر متعین نہیں کرتی بلکہ ادب اور زندگی کو ایک پیمانہ اور کسوٹی بھی عطا کرتی ہے۔یہ ادب میں ایجاد کرنے اور محفوظ رکھنے کا اہم فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے۔تنقید بُت شکن بھی ہے اور بُت گر بھی۔ مولانا الطاف حسین حالی، ڈاکٹر سید عبداللہ، احتشام حسین، عزیز احمد، کلیم الدین، مجنون گورکھپوری، وزیر آغا، جمیل جالبی، حسن عسکری، احسن فاروقی، ڈاکٹر اختر، فرمان فتح پوری اور آل احمد سرور وغیرہ اُردو کے نام ور نقاد ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

خاکہ

خاکہ وہ تحریر ہے جو کسی شخصیت کا بھرپور تاثر پیش کرے۔اسے کسی شخص کی قلمی تصویر بھی کہہ سکتے ہیں۔ایک اچھے خاکے میں ہم کسی شخص کے بُنیادی مزاج، اُس کی اُفتادِ طبع، اندازِ فکر وعمل اور اُس کی شخصیت کے مُختلف پہلوؤں سے روشناس ہوتے ہیں۔اختصار وجامعیت خاکہ نگاری کا بُنیادی وصف ہے۔محمد حسین آزاد، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، مرزا فرحت اللہ بیگ، رئیس احمد جعفری، چراغ حسین، حسرت، غلام رسول مہر، محمد طفیل، شوکت تھانوی، سعادت حسن منٹو، ظہور احمد اعوان اور عطاء الحق قاسمی اُردو ادب کے مشہور خاکہ نگار ہیں۔

مکتوب

کسی دور دیس میں آباد اپنے کسی رشتہ دار یا دوست احباب کو اپنے حالات وواقعات لکھ کر بھیجنے کے عمل کو مکتوب نگاری کہتے ہیں۔مکتوب نویسی ادب کی قدیم ترین شکل ہے۔خط کو بالعموم نصف مُلاقات کا نام بھی دیا جاتا ہے۔گویا خط بالمشافہ ملاقات کی کمی کو ایک حد تک پورا کرتا ہے۔ذاتی حالات وواقعات کے علاوہ بعض خطوط میں تاریخی اور علمی وادبی موضوعات یا علمی شخصیات وغیرہ پر بھی خامہ فرسائی کی جاتی ہے۔ایسے خطوط زیادہ اہمیت وافادیت رکھتے ہیں۔اُردو ادب میں "مکاتیب غالب" انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔یہ ہمہ صفت وہمہ جہت خطوط نہ صرف مرزا غالب کی ذات، عادات واخلاق، میلانات ورُجحانات، پسند وناپسند، جذباتی ونفسیاتی کیفیات، ذہنی وقلبی احساسات اور اس کی شخصیت کی مختلف سطحوں پر روشنی ڈالتے ہیں بلکہ اُس دور کے ہندوستان کے حالات، رسم ورواج، زُبان ومحاورہ اور شعروفن کی بیسیوں گُتھیاں سُلجھانے میں آج بھی مُمد ومُعاون ہیں۔

تبصرہ نگاری

کسی کتاب پر تحریری شکل میں مختصر یا مفصل اظہارِ رائے کا نام تبصرہ نگاری ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی کتاب کے مندرجات، اس کی علمی و ادبی نوعیت، افادیت و اہمیت، مشمولات کی صحت، اس کا علمی و ادبی معیار اور اس کی مجموعی قدر و قیمت کا ایک مضمون کی شکل میں تعین اس کتاب پر تبصرہ کہلاتا ہے۔

طنز و مزاح

عام طور پر طنز اور مزاح کے الفاظ کو ملا کر بطورِ ایک مرکب کے استعمال کیا جاتا ہے مگر یہ دو مختلف المعانی الفاظ ہیں۔ مزاح کے لغوی معنی ہیں ہنسی مذاق۔ جب کہ طنز کے معنی طعنہ یا چھیڑ کے ہیں۔ دراصل طنز، مزاح کی ایک شکل ہے۔ مزاح میں زندگی کی ناہمواریوں پر ہمدردانہ نظر ڈالی جاتی ہے۔ جب کہ طنز میں ہمدردی کے بجائے نفرت کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ مزاح کے جذبات محبت، محبت و قربت کے برعکس طنز میں کبر و غرور نمایاں ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس کا دائرہ شعر و نثر دونوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اُردو کے نثار

سفرنامہ

کسی سفر کی روداد لکھنا سفرنامہ کہلاتا ہے۔ سفرنامے کی تمام تر دلچسپی دو باتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ ایک واقعاتِ سفر کی ندرت و جدت اور دوسرے اندازِ بیان میں تازگی۔ دل چسپی اور مقبولیت کے لحاظ سے ایک معیاری سفرنامہ ناول اور افسانے سے کسی طرح کم نہیں ہوتا۔ دورِ جدید میں اُردو اصنافِ نثر میں سفرنامہ ایک امتیازی اور منفرد صنف کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ عجائباتِ فرنگ، مسافرانِ لندن، سات سمندر پار، لبیک، بسلامت روی، اِک جہاں سب سے الگ، چلتے ہو تو چین کو چلیے اور دنیا گول ہے وغیرہ اُردو کے مشہور سفرنامے ہیں۔ جب کہ یوسف خان کمبل پوش، سر سید احمد خان، بیگم اختر ریاض الدین، کرنل محمد خان، ڈاکٹر سلیم اختر اور ابنِ انشا وغیرہ مشہور سفرنامہ نگار ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ کو اُردو کے سب سے بڑے سفرنامہ نگار کا اعزاز حاصل ہے۔ اُن کے لکھے ہوئے سفرناموں کی تعداد پچاس (50) سے زیادہ ہے۔

JOIN FOR MOREVV

اردو ادب کی شعری اصناف

حمد:

حمد ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی "تعریف کرنے" کے ہیں۔ اصطلاح میں حمد اس نظم کو کہتے ہیں جس میں اللہ کی صفات اور عظمت و قدرت کا بیان ہوتا ہے اور اس کی ہمہ پہلو تعریف کی جاتی ہے۔ اللہ کی حمد و ثناء اسی قدر مختلف و متنوع ہے جس قدر یہ کائنات وسیع ہے۔ حمد باری تعالیٰ کے لیے کوئی خاص وزن یا بحر مقرر نہیں، یہ کسی بھی وزن میں بیان کی جاسکتی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ:

☆ تعریف رسمی نہ ہو بلکہ عشق الٰہی میں ڈوب کر کہی جائے۔

☆ الفاظ پاکیزہ اور شستہ ہوں۔

☆ ادب و احترام کا خاص لحاظ رکھا جائے۔

☆ حمد و ثناء کے ساتھ ساتھ خیر و عافیت مانگی جائے۔

☆ حمد اردو شاعری کی قدیم ترین صنف ہے۔ حمد باری تعالیٰ ہر زبان میں اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

نعت:

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی تعریف بیان کرنے کے ہیں۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی مدحت، تعریف و توصیف، شمائل و خصائص کے نظمی اندازِ بیاں کو نعت یا نعت خوانی یا نعت گوئی کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں نعت کے لیے لفظ "مدحِ رسول ﷺ" استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ میں بہت سے صحابہ کرام نے نعتیں لکھیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ نعت لکھنے والے کو نعت گو شاعر جبکہ نعت پڑھنے والے کو نعت خواں یا ثناء خوان کہا جاتا ہے۔ حمد کی طرح نعت کی بھی کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں ہے البتہ نعت گو شاعر کیلیے ضروری ہے کہ:

☆ تعریف رسمی نہ ہو بلکہ عشق رسول ﷺ میں ڈوب کر کہی جائے۔

☆ الفاظ پاکیزہ اور شستہ ہوں۔

☆ ادب و احترام کا خاص لحاظ رکھا جائے۔

☆ غلو سے کام نہ لیا جائے۔

نعت بھی اردو شاعری کی قدیم ترین صنف ہے۔ تقریباً تمام شعراء نے مدحت رسول ﷺ بیان کی ہے۔ مولانا ظفر علی خان کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جنھیں "نعت گو شاعر" کہا جاتا ہے۔

نظم

نظم ایک نہایت بسیط و وسیع اصطلاح ہے۔ اس کے لغوی معنی، "موتی پرونا، آراستہ کرنا" وغیرہ ہیں۔ اصطلاحاً نظم ایسی صنفِ سخن ہے جو کسی بھی موضوع کو تسلسل سے بیان کرتی ہے جس میں موضوع یا عنوان کی تفصیل ہوتی ہے۔ یہ کسی خاص موضوع پر لکھی جاتی ہے۔

اس لحاظ سے نظم کا میدان غزل سے زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ غزل کا ایک شعر ایک ہی جذبہ کو بیان کرتا ہے مگر نظم میں موضوع کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ نظم وہ صنفِ سخن ہے جس کی مثالیں دکن کے پہلے صاحبِ کلیات شاعر قلی قطب شاہ سے لے کر عہد جدید تک کثرت سے ملتی ہے۔ نظیر اکبر آبادی نے جدید نظم نگاری کی ابتداء کی

لیکن اس کو ترقی اور استحکام محمد حسین آزاد، حالی، اسماعیل میرٹھی وغیرہ کے ہاتھوں ملا۔

نظم کی اقسام:

نظم کی مختلف اقسام ہیں۔جن میں:

مرثیہ مثنوی مسدس مخمس آزاد نظم گیت قصیدہ رباعیات وغیرہ شامل ہیں۔

مشہور نظمیں:

اردو میں بہت سی نظمیں مشہور ہیں لیکن مندرجہ ذیل نظمیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

☆	آدمی نامہ، جنس نامہ	(نظیر اکبر آبادی)
☆	شکوہ، جواب شکوہ	(ڈاکٹر علامہ محمد اقبال)
☆	مسدس مدوجزرِ اسلام	(الطاف حسین حالی)
☆	شاہنامہ اسلام	(حفیظ جالندھری)

JOIN FOR MORE!!!

غزل

غزل اس آواز کو کہا جاتا ہے جو ہرن کے گلے سے اس وقت نکلتی ہے جب وہ شیر کے خوف سے بھاگ رہی ہوتی ہے۔قدیم زمانے میں عورتوں سے باتیں کرنے کو غزل کہا جاتا تھا۔اصطلاحِ شاعری میں غزل سے مراد وہ صنفِ نظم ہے جس کا ہر ایک شعر الگ مضمون کا حامل ہو اور اس میں عشق و عاشقی کی باتیں بیان ہوئی ہوں اور خواہ وہ عشق حقیقی ہو یا عشق مجازی۔لیکن آج کل غزل میں عشق و عاشقی کے علاوہ دنیا کا کوئی بھی موضوع زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔اس کا آغاز فارسی زبان سے ہوتا ہے۔لیکن اس سلسلے میں اسکے عربی زبان سے تعلق سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ عربی صنف قصیدہ مُیں موجود تشبیب سے ہی غزل کی ابتداء ہوئی۔

غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف یا صرف ہم قافیہ ہوتے ہیں اور باقی اشعار میں سے دوسرا مصرع قافیہ میں پہلے شعر کی پابندی کرتا ہے۔آخری شعر میں عام طور پر شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے، اسے مقطع کہا جاتا ہے۔غزل کے اشعار میں موضوع کے حوالے سے کوئی ربط نہیں ہوتا اور ہر شعر کا موضوع اور مطلب الگ الگ ہوتا ہے۔

قصیدہ

جو نظم کسی بادشاہ، وزیر یا کسی عام آدمی کی تعریف و توصیف میں لکھی گئی ہو، اسے قصیدہ کہتے ہیں۔قصیدے کی زُبان عموماً پُر شکوہ اور لہجہ بُلند آہنگ ہوتا ہے۔قصیدے کا سب سے بڑا موضوع مدح ہے لہذا کسی کی شان میں تعریف کے لیے الفاظ و تراکیب بھی پُر رُعب اور باوقار ہونے چاہیے، تشبیہات و استعارات اور صنائع و بدائع میں جدت طرازی، ندرت اور مُبالغہ آمیزی ہو اور اندازِ بیان پُر زور و پُر جوش ہو تو قصیدہ زیادہ مؤثر ہوگا۔ہیئت کے لحاظ سے قصیدے کی دو قسمیں ہیں تمہیدیہ اور مدحیہ۔ جب کہ تشبیب، گریز، مدح، حُسنِ طلب اور دُعا قصیدے کے بُنیادی اجزا ہیں۔مرزا غالب، مرزا رفیع سودا، انشا اللہ خان انشا، مومن خان مومن، محمد ابراہیم ذوق اور محسن کاکوروی وغیرہ اُردو کے بہترین قصیدہ گو مانے جاتے ہیں۔

مرثیہ

وہ صنفِ شعر جس میں کسی فوت شدہ شخص کا ذکر اور اس کی تعریف و توصیف حسرت اور غم آمیز انداز میں کی جاتی ہے، اسے مرثیہ کہتے ہیں۔ظاہری ہیئت کے اعتبار سے ابتدا مرثیے کی کوئی خاص شکل متعین نہیں تھی مگر بعد میں مرثیے کے لیے مُسدس رائج ہو گئی۔اُردو زُبان میں سب سے زیادہ مرثیے شہید کربلا حضرت اِمام حسینؓ اور اُن

کے اعزہ واقربا کے لکھے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ غالب کا "زین العابدین خان عارف" علامہ اقبال کے "والدہ مرحومہ کی یاد میں"، "داغ" اور "مسعود مرحوم" اہم مرثیے ہیں۔ فضلی، شجاع، سودا، میر خلیق، میر ضمیر، دبیر، انیس، میر، تعشق، میر نفیس اور جوش ملیح آبادی وغیرہ اُردو کے معروف مرثیہ نگار ہیں۔

مثنوی

مثنوی وہ مُسلسل نظم ہے، جس کے ہر شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور تمام اشعار ایک ہی بحر میں ہوں۔ مثنوی میں ہر طرح کے خیالات، واقعات اور مطالب ادا ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ بڑی مُفید اور وسیع صنفِ شعر ہے۔ خصوصاً واقعہ نگاری کے لیے یہ سب سے زیادہ موزوں ہے۔ اخلاقی، مذہبی اور تاریخی موضوعات پر مثنویاں لکھی گئی ہیں۔ مثنویوں میں قدرتی مناظر، معاشرتی رسوم ورواج، انسانی جذبات واحساسات وغیرہ کی خُوب صُورت مثالیں مِلتی ہیں۔ آبرو، نظامی، غواصی، مُلا وجہی، میر تقی میر، مومن خان مومن، محسن کاکوری، میر حسن، دیا شنکر نسیم اور نواب مرزا شوق اُردو کے مشہور مثنوی نگار ہیں۔

رُباعی

رُباعی کے لُغوی معنی ہیں چار والے۔ اصطلاح میں رُباعی اُس صنفِ نظم کو کہتے ہیں، جس کے چار مصرعوں میں ایک مُکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔ رُباعی کو ترانہ یا دوبیتی بھی کہا جاتا ہے۔ رُباعی کے لیے موضوع کی کوئی قید نہیں، دُنیا کے ہر موضوع پر رُباعی کہی جا سکتی ہے۔ بااعتبارِ موضوع اس کا دامن بہت وسیع ہے۔ اُردو کے تقریباً تمام بڑے شُعرا کے ہاں معیاری رُباعیات کے نمونے مِلتے ہیں۔

قطعہ

اصطلاح میں اس نظم کو قطعہ کہتے ہیں، جس میں کوئی خیال یا واقعہ مُسلسل بیان کیا گیا ہو۔ قطعے میں ہر شعر کے دوسرے مصرع میں قافیہ کی پابندی لازمی ہے۔ قطعہ کم از کم دو شعروں کا ہوتا ہے زیادہ سے زیادہ اشعار کی کوئی قید نہیں۔ رُباعی کی طرح قطعے کے لیے بھی موضوع کی کوئی قید نہیں، دُنیا کے ہر موضوع پر قطعہ کہا جا سکتا ہے۔ سودا، میر، شبلی، آزاد، اکبر، جوش، احسان دانش اور احمد ندیم قاسمی وغیرہ نے عُمدہ قطعات لکھے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

محاورات کے جملے

محاورات	معانی	جملے
آنکھیں کھل جانا	عبرت حاصل کرنا	استاد کی نصیحتیں سن کر تمام طلبہ کی آنکھیں کھل گئیں۔
آنکھیں موند لین	آنکھیں بند کر لینا/مر جانا	ہر انسان کو والدین کی قدر جان لینی چاہیے، اس سے پہلے کہ وہ آنکھیں موند لیں۔
آنکھوں میں خون چڑھ جانا	غصہ آنا	خالد کے دوست نے اسے گالی دی تو اس کی آنکھوں میں خون چڑھ گیا۔
آفتاب پر خاک ڈالنا	ناممکن کام کرنا	مسلمانوں کو میدانِ جنگ میں شکست دینا آفتاب پر خاک ڈالنا۔
اپنے حال میں مست ہونا	ہر حال میں خوش رہنا/اپنے آپ میں مگن ہونا	پاکستان کے اربابِ اقتدار اپنے حال میں مست ہیں، انھیں اہل وطن کی کچھ فکر نہیں۔
بے باک ہو جانا	بے خوف ہونا/نڈر ہونا	آج کی نوجوان نسل اس درجہ بے باک ہو چکی ہے کہ اسے قانون تو کیا اللہ کا بھی خوف نہیں۔
بخت سو جانا	قسمت خراب ہونا	جو لوگ محنت نہیں کرتے ان کا بخت سو جاتا ہے۔
بہروپ بدلنا	بھیس بدلنا	پرانے مسلمان بادشاہ بہروپ بدل کر مسلمانوں کے احوال جانا کرتے تھے۔
پیچ و تاب کھانا	بے چین ہونا	شادی کی تقریب میں فضول رسومات دیکھ کر میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔
تن و بن میں آگ لگنا	سخت غصہ آنا	فیل بچے کا نتیجہ دیکھ کر والدین کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔
ترس کھان	رحم کرنا/رحم آنا	غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں پر ترس کھان ہر مسلمان کا اخلاقی فریضہ ہے۔
تین پانچ کرنا	جھگڑا کرنا/دھوکا دینا	سنو! مجھ سے زیادہ تین پانچ کرنے کی ضرورت نہیں۔
جی جل جانا	غصہ آنا	حامد کی زبان سے اپنے استاد کی برائی سن کر میرا جی جل گیا۔
چاروں طرف اندھیرا چھا جانا	ہر طرف اندھیرا چھا جانا/پریشانی ہونا	اپنے شوہر کی وفات کی خبر سن کر سعیدہ کے چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔
خاک میں ملانا	ضائع کرنا	تمہاری لاپرواہی نے میری ساری محنت خاک میں ملا دی۔
دیوان بن جانا	رکاوٹ بننا	مسلمانوں کو اپنے دشمن کے راستے کی دیوار بن جانا چاہیے۔
رام کرنا	راضی کرنا/منا لینا	کچھ لوگ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے ہر شخص کو رام کر لیتے ہیں۔
رخ کرنا	توجہ کرنا	انسان کو کسی بھی حالت میں برائیوں کی طرف رخ نہ کرنا چاہیے۔
زخموں پر نمک چھڑکنا	تکلیف پر تکلیف دینا	تن نے گڑے مردے اکھاڑ کر مرے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔
زبانی جمع خرچ کرنا	صرف باتیں ہی باتیں کرنا	آج کل بہت سے تعلیمی ادارے صرف زبانی جمع خرچ کر رہے ہیں۔
زندہ در گور کرنا	سخت مصیبت میں مبتلا کرنا	تم نے مجھ پر چوری کا الزام لگا کر مجھے زندہ در گور کر دیا۔
سبز باغ دکھانا	دھوکہ دینا/جھوٹی امیدیں دلانا	ناکامی کے دلدل میں پھنسے انسان کو سبز باغ نہیں دکھانا چاہیے۔
سپید و سیاہ میں دخل ہونا	پورا پورا اختیار ہونا	حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کائنات کے سپید و سیاہ کا مالک ہے۔
سٹی گم ہونا	گھبرانا/بوکھلانا	والدہ کی طبیعت کی ناسازی دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔
قہقہہ لگانا	زور سے ہنسنا	نماز کی حالت می قہقہہ لگانے سے نماز اور وضو دونوں ٹوٹ جاتے ہیں۔
طاق نسیاں ہونا	بھول جانا	ماضی کے ناخوشگوار واقعات کا طاق نسیاں ہو جانا بھی اک نعمت ہے۔

نثر نگار پر تبصرہ

سرسید احمد خان

حالاتِ زندگی

سرسید احمد خان ۱۸۱۷ء میں دہلی میں پیدا ہوا۔ والد کا نام میر تقی تھا جو ایک درویش منش بزرگ تھے۔ سرسید کی پرورش میں ان کی والدہ عزیز النساء بیگم کا بڑا ہاتھ تھا۔ جنہوں نے سرسید کی تعلیم و تربیت زمانے کی ضروریات کے مطابق کی۔ ۱۸۳۸ء میں سرسید دہلی میں سرشتہ دار کے عہدہ پر مقرر ہوئے اس کے بعد منصفی کا امتحان پاس کر کے منصف ہو گئے۔ ۱۸۴۲ء میں بہادر شاہ ظفر کی طرف سے ان کو جواد الدولہ عارف جنگ کا خطاب ملا۔

تصانیف

سرسید کی مشہور تصانیف میں مندرجہ ذیل شامل ہیں:

☆ آثار الصنادید ☆ آئین اکبری ☆ تاریخ ضلع بجنور ☆ رسالہ اسباب بغاوت ہند
☆ تصحیح تاریخ فیروز شاہ ☆ تبیین الکلام ☆ تفسیر الکلام ☆ تفسیر القرآن
☆ خطباتِ احمدیہ

JOIN FOR MORE!!!

طرزِ تحریر کی نمایاں خصوصیات

سرسید کے طرزِ تحریر کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

قدیم رنگ

سرسید نے سب سے پہلے اپنے بھائی کے اخبار سید الاخبار میں مضامین لکھنا شروع کیے۔ آثار الصنادید میں وہی قدیم اسلوب بیان ملتا ہے۔ بلکہ ۱۸۵۷ء تک سرسید نے جو کچھ لکھا ہے اس میں یہی رنگ نمایاں ہے۔ یعنی الفاظ کا بے محل استعمال اور قواعد سے بے پروا۔
وہ تحریر یا تقریر کی رو میں گرامر کی کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ ان قیدوں سے جو شاعروں اور منشیوں نے مقرر کی ہیں بالکل آزاد ہیں۔ (حالی)
وہ دور ہی ایسا تھا کہ قواعد کی پابندی سخت نہ تھی۔ الفاظ کی بے ترتیبی عام تھی۔ اردو فقروں میں اکثر دھوکہ ہوتا تھا کہ فارسی کا ترجمہ ہیں لیکن سرسید کو اس امر کا احساس تھا کہ اس قسم کی تحریر بہتر نہیں ہے۔

جدید رنگ

سرسید کی شخصیت بڑی زمانہ شناس تھی۔ انہوں نے زمانے کا رنگ پہچان لیا تھا۔ جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کی سیاسی، تمدنی، تہذیبی اور معاشرتی زندگی کا نظام درہم برہم ہو چکا تھا۔ سرسید نے ایک مصلح قوم ہونے کی حیثیت سے اپنا مقصدِ حیات، مسلک زندگی اور لائحہ عمل متعین کر لیا اور تحریر و تقریر کے ذریعہ قومی و ملکی، مذہبی، معاشرتی، اخلاقی، علمی اور تعلیمی خدمات شروع کیں۔ انہوں نے آثار الصنادید کو آسان زبان میں شائع کیا۔

سادگی و روانی

نثر کا روزمرہ کی سادہ بات چیت کی زبان سے قریب تر ہونا بہت ضروری ہے۔ سرسید نے اپنی نثر کو اسی نصب العین پر پورا اتارنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس میدان میں وہ اسٹیل اور ایڈیسن سے متاثر نظر آتے ہیں۔ جس طرح ایڈیسن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ادب کو درباروں اور محلوں سے نکال کر قہوہ خانوں اور بازاروں تک پہنچا دیا۔ اسی طرح سرسید نے اردو ادب کو خانقاہ، دربار اور کوچہ و بام سے نکال کر دفتروں، تعلیم گاہوں اور متوسط طبقے کے دل و دماغ تک پہنچا دیا اور اس سے زندگی

کی رہنمائی کا کام لیا اور اردو نثر کو اس قابل بنا دیا کہ وہ علمی کام کر سکے۔ سرسید پیچیدہ سیاسی مسائل، مذہبی لکات، اور دشوار اصلاحی مباحث کو بھی نہایت صفائی، سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔ سرسید نے فلسفیانہ، سائنسی اور تنقیدی مضامین میں بھی سادگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور ہر جگہ موضوع کی فطرت کے مطابق زبان استعمال کی ہے۔ انہوں نے کسی بحث میں بھی اصطلاحیں استعمال نہیں کی ہیں بلکہ ہر جگہ ان کی زبان عام فہم اور رواں ہے۔ ان کی تحریر کا جادو ہر شخص کو مسحور کر لیتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا کمال اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ کسی عملی مسئلہ پر بحث شروع کرتے ہیں اور ان کی بحث اتنی سادہ، رواں اور مدلل ہوتی ہے اسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

مقصدیت

یہ مقولہ کہ طرزِ ادا مصنف کی ہستی کا آئینہ دار ہوتا ہے سرسید پر صادق آتا ہے۔ ان کے طرزِ تحریر میں ان کی ہمہ گیر شخصیت ان کی زندگی اور ان کے ماحول کا مشترکہ ہاتھ تھا۔ سرسید پہلے ایک مصلح تھے پھر ایک ادیب۔ ان کا طرز ایک ذریعہ تھا مقصد نہیں تھا۔ اپنی بات دوسروں تک پہنچانا یہی حقیقت سرسید کے انداز کا راز ہے۔ انہوں نے اپنی نثر سے قومی اصلاح کا کام لیا ہے۔ یہی وجہ تھی جو سرسید کے لئے کہا گیا:

سرسید سے معقولات الگ کر لیجئے تو وہ کچھ نہیں رہتے۔ (مہدی آفادی)

تہذیب الاخلاق کے تمام مضامین میں مقصدیت اور تبلیغی رنگ پایا جاتا ہے۔ تبلیغی نثر اردو میں سرسید سے پہلے بھی موجود تھی لیکن اس کی زبان صاف اور سادہ نہیں تھی۔

JOIN FOR MORE!!!

ظرافت

سرسید ایڈیسن اور اسٹیل سے متاثر ضرور نظر آتے ہیں لیکن انہوں نے ان کا مکمل رنگ اختیار کیا ہے۔ کیونکہ ایڈیسن نے اصلاح احوال کے لئے مزاحیہ انداز اختیار کیا ہے اور اپنے معاشرے کی بداخلاقیوں اور برائیوں کا دل کھول کر تمسخر اڑایا ہے۔ سرسید میں مزاح نگار کی صلاحیتیں کم تھیں اس لئے وہ مکمل طور پر ان کا رنگ اختیار نہ کر سکے۔ انہوں نے کوشش ضرور کی ہے اور اس سے موقع محل کے مطابق کام لیا ہے۔ اس کی بہترین مثال ان کے مضمون طریق تناول طعام میں ملتی ہے۔ جس میں انہوں نے مزاحیہ انداز میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان کس برے طریقے سے کھانا کھاتے ہیں۔

تمثیلی رنگ

مقالات میں تمثیلی رنگ اختیار کرنے کا سہرا سرسید کے سر ہے۔ اس سلسلہ میں ان مضامین میں امید کی خوشی سے بہتر مضمون شاید ہی دوسری زبانوں میں اردو ادب میں تو اس کا ثانی نہیں ملتا۔ سرسید کی فطرت میں چھپی ہوئی رومانیت اس مضمون میں نمایاں ہے۔ اور اس نے اردو نثر نگاری میں ایک نیا باب کھالا ہے۔ اس کا مقابلہ چارلس لیمپ کے مضمون ڈریم چلڈرن سے کیا جا سکتا ہے۔

مقالہ نگاری

اردو ادب کی تاریخ میں سرسید پہلے شخص ہیں جنہوں نے فن مقالہ نگاری کی ابتدا کی۔ سرسید کے اخبار سوسائٹی گزٹ اور تہذیب الاخلاق سے پہلے بہت سے اخباروں اور رسالوں میں مذہبی، اخلاقی اور علمی مقالے شائع ہوئے تھے۔ لیکن سرسید نے نئے موضوعات پر قلم اٹھایا، خوشامد، بحث و تکرار، رسم و رواج اور سویلزیشن وغیرہ پر انہوں نے صاف اور سادہ زبان میں مقالے لکھے۔ سرسید نے آزادی رائے پر ایک اصلاحی مقالہ تحقیقی رنگ میں لکھا۔

تہذیب الاخلاق

انگلستان سے واپسی پر انہوں نے انگلستان کے مشہور اخبارات اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر کے انداز پر رسالہ تہذیب الاخلاق نکالا۔ اس سے انہوں نے نہ صرف اپنی نثر نگاری کی ابتدا کی بلکہ اردو نثر نگاری کے لئے ایک صحیح اور سیدھا راستہ کھول دیا۔

سرسید نے کام کی زبان میں کام کی باتیں لکھنا سکھائیں۔ تہذیب الاخلاق نے مردہ قوم میں زندہ دلی کی ایک لہر پیدا کر دی۔ قوم میں ایک غیر معمولی جوش عمل پیدا ہوا

ایک نئی زندگی نے انگڑائی لی جس نے ہر شعبہ فکر کو بدل دیا۔ (پروفیسر آل احمد سرور)

دبستانِ سرسید

سرسید انیسویں صدی کے ہندوستان کی عظیم شخصیت رہبر و مصلح تھے۔ وہ مسلمانوں کے اخلاق، مذہب، معاشرتی زندگی، تعلیم، رسم و رواج اور زبان و ادب وغیرہ کی اصلاح کرنا چاہتے تھے۔ اس اصلاحی کوشش میں ان کو محسن الملک، مولوی چراغ علی، مولوی ذکاءاللہ، حالی نذیر احمد، شبلی نعمانی اور مولوی زین العابدین جیسی شخصیتیں مل گئیں۔ جنہوں نے سرسید کے دوش بدوش اس عظیم مقصد کی تکمیل کی کوشش کی جس کے لئے سرسید نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ اس تحریک نے مسلمانوں کی کایا پلٹ دی۔

عظمتِ سرسید

سرسید کی عظمت کو ان الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے:

سرسید نے ادب اور معقولات پر جس حد تک مجتہدانہ رنگ چڑھایا دراصل ان کی اولیات میں داخل ہونے کے لائق ہے۔ یہ ان ہی کے قلم کی آواز بازگشت ہے جو ملک میں بڑے بڑے مصنف کے لئے دلیل راہ بنی۔ آج جو خیالات بڑی آب و تاب اور عالمانہ سنجیدگی کے ساتھ مختلف لباس میں جلوہ گر کئے جاتے ہیں دراصل اسی زبردست اور مستقل شخصیت کے عوارض ہیں۔ ورنہ پہلے یہ جنس گراں باوصف استطاعت اچھے اچھوں کی دسترس سے باہر تھی۔

آراہ ناقدین

سرسید کے کمالات ادبی کا عدم اعتراف صرف ناشکری ہی نہیں بلکہ تاریخی غلطی ہے۔ (مہدی آفادی)

سرسید نے کام کی زبان میں کام کی باتیں لکھنا سکھائیں۔ تہذیب الاخلاق نے مردہ قوم میں زندہ دلی کی ایک لہر پیدا کر دی۔ قوم میں ایک غیر معمولی جوش عمل پیدا ہوا ایک نئی زندگی نے انگڑائی لی جس نے ہر شعبہ فکر کو بدل دیا۔

JOIN FOR MORE!!!

خواجہ الطاف حسین حالی

تعارف:

خواجہ الطاف حسین حالی، ہندوستان میں "اردو" کے نامور شاعر اور نقاد گذرے ہیں۔ حالی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا ابھی 9 سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا، سرسید جس تحریک کے علمبردار تھے حالی اسی کے نقیب تھے۔ سرسید نے اردو نثر کو جو وقار اور اعلیٰ تنقید کے جوہر عطا کیے تھے۔ حالی کے مرصع قلم نے انہیں چمکایا۔

تصانیف:

مسدس حالی، حیات سعدی، حیات جاوید، یادگار غالب، مقدمہ شعر و شاعری

بقول حالی

اے شعر دل فریب نہ ہو تو تو غم نہیں
پر تجھ پر حیف ہے جو نہ ہو دل گداز تو

خواجہ الطاف حسین اردو ادب و سخن میں ایک ایسا نام ہے جس کے احسانات کی بدولت جدید اردو عالمی معیار کے سفر پر گامزن ہو گئی۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس نے ادب و سخن دونوں میں بھرپور خامہ فرسائی کی اور اہل دنیا سے داد و تحسین وصول کی۔ اسی کی کاوشوں کی بدولت برصغیر پاک و ہند میں علم و عمل کے چراغ روشن ہوئے اور بصیرتوں کو زندگی کا سراغ ملا۔ اردو علم و ادب کا ہر شعبہ اس کا ممنون احسان ہے۔ شاعری ہو یا نثر، تنقید ہو یا تحقیق ہر پہلو میں حالی ہی کو معیار سمجھا جاتا ہے۔ آپ کے بارے میں ارشاد ہے:

حالی کا انداز تحریر سادہ و سلیس ہے۔ وہ زبان سے زیادہ مطلب پر توجہ دیتی ہیں اور آرائش زبان کو ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔ ان کی تحریر میں تکلف نہیں بلکہ خلوص اور سچائی ہے۔ (ڈاکٹر وحید قریشی)

طرز نگارش

الطاف حسین حالی کی نثر نگاری کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

مقصدیت

حالی نے ہمیشہ مقصدیت کو اولین ترجیح دی اور اپنی تحریروں سے اصلاح معاشرہ کی کاوشیں کیں۔ آپ نے ادب و سخن کو زندگی کا حقیقی ترجمان بنا ڈالا کیونکہ آپ کے نظریہ کے مطابق ایسا ادب بے ادبی ہے جو ترجمان حیات نہ ہو۔ مثال کے طور پر وہ رقم طراز ہیں:

میں نے جو کچھ لکھا اس کا منشاؤ ضرورت وہ مصلحت ہے جس کے سبب سے بھولے کو راہ بتائی جاتی ہے اور مریض کو دوائے تلخ کی ترغیب دی جاتی ہے۔ (مقالات حالی)

سادگی و سلاست

حالی کی تحریریں سادہ اور سلیس جملوں پر مشتمل ہوتی ہیں جب میں مدعا انتہائی شستہ پیراوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ حوالہ جاتی مضامین ہوں، سوانح نگاری ہو یا تنقید کا سخت میدان ان کی بات سیدھا اور واضح مفہوم رکھتی ہے۔

تنقید نگاری

اردو دنیائے ادب میں باضابطہ تنقید نگاری کا آغاز حالی کی آمد سے ہوا۔ آپ نے اپنی بیشتر تحریروں میں تنقید کا سہارا لیا۔ آپ نے کبھی حقیقت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا اور تحریر اور کردار کو داغدار ہونے سے ہمیشہ بچایا۔ آپ نے ایک جگہ تحریر کیا:

سرسید کی طبیعت ڈسپاٹک تھی، یعنی آمرانہ۔

ایک اور جگہ آپ سرسید کے بارے میں فرماتے ہیں:

قرآن کی تفسیر لکھنے میں سرسید سے جابجا غلطیاں ہوئی ہیں اور انہوں نے جابجا ٹھوکریں کھائیں ہیں۔

آپ کی وہ کتاب جس میں آپ نے اپنی تنقیدی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا'' میزان شعروسخن'' کے نام سے مشہور ہے۔

سوانح نگاری

خواجہ الطاف حسین حالی جدید سوانح نگاری کے موجد ہیں۔ موجد ہونے کے باوجود آپ نے اس صنفِ ادب کی معراج کو چھویا اور بہترین نمونہ تحاریر پیش کئے۔ آپ کے چند مشہور سوانح درج ذیل شخصیتوں پر مبنی ہیں:

☆ شیخ سعدی حیات سعدی ☆ مرزا غالب یادگارِ غالب ☆ سرسید احمد خان ☆ حسنِ تخیل

خواجہ الطاف حسین حالی کے نثر پاروں میں تخیل کی کارفرمائی موجود ہے جو ان تحریروں میں شاعرانہ دل کشی کا واحد سبب ہے۔ یہ تخیل ان کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ مثال کے طور پر وہ رقم طراز ہیں:

جس طرح تلوار کی کاٹ درحقیقت اس کی باڑھ میں نہیں بلکہ سپاہی کے کرخت ہاتھ میں ہے، اس طرح کلام کی تاثیر اس کے الفاظ میں نہیں بلکہ متکلم کی سچائی، اس کے نڈر دل اور بے لاگ زبان میں ہے۔ (حیاتِ جاوید)

JOIN FOR MORE!!!

تنوع مضامین

حالی وہ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اردو میں ادبی، سائنسی، تنقیدی و شاعرانہ مباحث بہت کامیابی سے پیش کیے۔ ان کی تحریروں میں حیرت انگیز تنوع پایا جاتا ہے اور ہر موضوع کا رنگ ملتا ہے۔ آپ کے بارے لکھا گیا:

عملی نظریات اور اظہارِ حقائق کے لئے حالی کے نثر سے بہتر پیرائیہ بیان اردو میں نہیں ہے۔ (ڈاکٹر سید عبداللہ)

انگریزی الفاظ کا استعمال

سرسید احمد خان کی طرح حالی کی تحریروں میں بھی جابجا انگریزی الفاظ کا استعمال ملتا ہے۔ آپ مقصدیت پر زور دیتے ہوئے بعض اوقات شعوری طور پر بھی یہ الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ لکھتے ہیں:

مگر ایک مورلسٹ شاعران سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔

جس کے لٹریچر کی عمر پچاس برس سے زائد نہیں۔

جس کی گرامر آج تک اطمینان کے قابل نہیں بنی۔

آراہ ناقدین

مختلف تنقید نگار حالی کی عظمت کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنے اپنی انداز میں لکھتے ہیں:

حالی کے یہاں سرسید سے بھی زیادہ۔ چاتلا اندازِ فطرت پرستی نظر آتا ہے۔ (پروفیسر آل احمد سرور)

حالی کا اسلوب تحریر بہت صاف اور سادہ ہے اور جس صفائی اور سادگی کو وہ شاعری اور شاعروں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اسے نثر نگاری کے لئے بھی لازمی جانتے ہیں۔ (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

حالی نے اپنے قدم ادبی سرمائے کو پرکھنے اور اس میں اچھے کو برے سے الگ کر لینے کے راز بتائے۔ (پروفیسر احتشام حسین)

خواجہ حسن نظامی

حالات زندگی:

خواجہ حسن نظامی سلسلہ چشتیہ کے صوفی اور اردو زبان کے ادیب تھے۔ آپ کے مضامین مخزن میں چھپتے رہے۔ آپ نظام الدین اولیاء کے عقیدت مند تھے اور پیری مریدی کا سلسلہ بھی رکھتے تھے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد سید امام، درگاہ سے وابستہ تھے۔ خواجہ علی حسن نظامی اردو انشائپردازی کے ایک مشہور و معروف ادیب گزرے ہیں۔ حسن نظامی 6 جنوری 1878ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ اور ان کی وفات 31 جولائی 1955ء کو بستی درگاہ خواجہ نظام الدین اولیا، نئی دہلی میں ہوئی۔

تصانیف:

دہلی کا آخری سانس ، بیگمات کے آنسو ، بہادر شاہ کا مقدمہ ، آپ بیتی
غدر دہلی کے افسانے ، خاک بیتی، اوس ، شہزادی کی بپتا

طرز تحریر کی خصوصیات:

خواجہ حسن نظامی کے دلچسپ اور اثر انگیز افسانے اُن کی شہرت کا باعث بنے۔ علم دوست شخصیتوں نے علی حسن کے سفرناموں، افسانوں اور مضامین کو اپنے کتب خانوں کی زینت بنایا اور بہت کم عمر میں ہی وہ ایک صاحب طرز نثر نگار کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے۔ اُنہوں نے معمولی مضامین خوبصورت اور دِل نشین انداز میں رقم طراز کیے اور اردو نثر کو جدت کی راہ پر گامزن کر دیا۔ آپ کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اگر میں خواجہ حسن نظامی جیسی نثر لکھنے پر قدرت رکھتا ہوتا تو کبھی شاعری کو اظہار خیال کا ذریعہ نہ بناتا۔ بلاشبہ اردو نثر نگاروں میں خواجہ حسن نظامی کی ذات قابلِ قدر ہے اور وہ ایک منفرد رنگ کے مالک ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

خواجہ حسن نظامی کے طرز تحریر کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

سادگی وسلاست

خواجہ حسن نظامی زبان و بیان کی سادگی سے کام لیتے ہیں اور نہایت سہل زبان کو استعمال کرتے ہوئے بڑے مشکل مطالب بیان کر جاتے ہیں۔ عام فہم الفاظ کے خوبصورت استعمال کی بدولت اُن کے نثر کی خوبصورتی برقرار رہتی ہے اور بوجھل پن محسوس نہیں ہوتا۔

بقول رام بابو سکسینہ:

خواجہ صاحب کی تحریریں نہایت سادہ، سلیس اور دلکش ہوتی ہیں۔

شوخی وظرافت

زبان کی چاشنی اور چٹکلوں سے خواجہ حسن نظامی نے اپنی تحریروں میں مزاح کا رنگ پیدا کیا ہے۔ وہ جب کبھی مزاح کی چٹکی لیتے ہیں تو عام اور سیدھی بات کو گلاب کی سی رعنائی بخش دیتے ہیں۔ اُن کے مضامین میں عبارات ظرافت، شوخی اور لطافت کی چاشنی سے معمور نظر آتی ہیں۔

مثال کے طور پر وہ اپنے ایک مضمون پیاری ڈکار میں لکھتے ہیں:

یہ نئے فیشن کے مچھر کو زور سے ڈکار نہیں لینے دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ڈکار لینے لگے تو ہونٹوں کو بھینچ لو اور ناک کے نتھنوں سے اُسے چُپ چاپ اُڑا دو۔ آواز سے ڈکار لینی بڑی بدتمیزی ہے۔

ایک خط میں لکھتے ہیں:

میڈیکل اسٹور کی طرف جانا ہو تو میرے پیارے ڈاکٹر کا کان مڑوڑ دینا اور پریمی پیارا ملے تو اُسے منہ چڑا دینا۔

ندرتِ موضوعات

خواجہ صاحب کا کمالِ فن اُس وقت عروج پر نظر آتا ہے جب آپ کے انوکھے اور اچھوتے مضامین نظر سے گزرتے ہیں۔ انہوں نے نہایت انوکھے موضوعات پر خامہ

فرسائی کرتے ہوئے اپنی مہارت کی معراج کو پایا اور بڑی خوبصورتی سے اِن مضامین کو پُر لیف بنا دیا۔

ایک مضمون گلاب تمھارا کیکر ہمارا میں لکھتے ہیں:

آخر یہ میاں گُلاب کس مرض کی دوا نہیں۔ پیٹ میں درد ہو تو گل قند کھلا؟، ہیضہ ہو جائے تو گلاب پلا؟ اور اگر مر جا؟ تو قبر پر چڑھا؟۔

اِس کے علاوہ اُن کا یہ رنگ مندرجہ ذیل مضامین میں نظر آتا ہے:

جھینگر کا جنازہ، مچھر کا اعلانِ جنگ، دیا سلائی، مٹی کا تیل،

فرام قبلہ ٹو شملہ، پیاری ڈکار، سوز و گداز

علی حسن صاحب کی بعض تحریروں میں درد و الم کا عکس نظر آتا ہے۔ خاص طور پر اُن کی تصنیف غدر دہلی کے افسانے کے مطالعے کے بعد ایسا لگتا ہے گویا مصنف نے تحریر اپنے خونِ دل سے رقم کی ہے۔ وہ اس قدر جذباتیت کے ساتھ رنج و الم کی تصویر کشی کرتے نظر آتے ہیں کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

شہزادی کی بپتا میں لکھتے ہیں:

بابلبلا گئی۔ وہ کبھی پھول کی چھڑی سے نہ پٹی تھی۔ اب ایسا طمانچہ لگا کہ اُس کے رونے سے مجھ کو بھی بے اختیار رونا آ گیا۔

عارفانہ و صوفیانہ طرزِ بیان

ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ حسن علی ایک صاحب دل صوفی بھی تھے۔ رشد و ہدایت کی مسند انہیں ورثے میں ملی تھی۔ وہ اپنے خیالات کو قلم بند کرتے ہوئے معرفت الٰہی کے رنگ میں بڑی خوبصورتی سے پرو دیتے ہیں۔ اسلوب میں والہانہ جوش اور ایک سچے عاشق کے دل کی صدا سنائی دیتی ہے۔

بقول رام بابو سکسینہ:

خواجہ صاحب کی کتاب کرپشن بیتی کو اہلِ اسلام اور خاص کر اربابِ تصوف نے بہت پسند کیا۔

محاورات و اختصار پسندی

نثر نگار کے مضامین کی مقبولیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ کی تحریروں میں فقرات مختصر اور جامع ہوتے ہیں۔ آپ آزاد کی طرح چھوٹے مگر بامحاورہ جملے ترتیب دیتے ہیں جن میں روانی اور لطافت کا عنصر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ آپ کی تحریروں میں تسلسل کا دارومدار اِنہیں مختصر، سادہ و شیریں جملوں پر ہے۔

جذبات نگاری

خواجہ حسن نظامی کی تحریریں انسانی زندگی کے سچے واقعات کی عکاس ہیں۔ آپ اِن واقعات کو ترتیب دیتے ہوئے جذبات کے اظہار کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ مطالعہ کرنے کے بعد قاری کے دل و ذہن پر متاثر کن اثر باقی رہتا ہے جو قاری کے دلی جذبات سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔

بیگمات کے آنسو میں وہ لکھتے ہیں:

مجھے بخار چڑھ رہا ہے۔ میری پسلیوں میں شدت کا درد ہو رہا ہے۔ مجھے سردی لگ رہی ہے۔ میری ماں مجھ سے بچھڑ گئی ہے اور بابا حضرت جلاوطن ہو گئے۔ میں اینٹ پر سر رکھے لیٹی ہوں۔ میری بدن میں کنکر چبھ رہے ہیں۔ بابا اٹھو! کب تک سو گے؟

ناقدین کی آراء

خواجہ علی حسن نظامی کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مختلف نقاد اُن کی تعریف بیان کرتے نظر آتے ہیں

صلاح الدین احمد کہتے ہیں:

خواجہ صاحب کو رنج و الم کے مضامین بیان کرنے کا جو سلیقہ ہے اُس میں علامہ راشد الخیری کے علاوہ اُن کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق بیان کرتے ہیں:

اگر تم صاف ستھری اور نکھری ہوئی اردو پڑھنا اور سیکھنا چاہتے ہو تو خواجہ صاحب کی نثر پڑھو۔ زبان کے ساتھ ساتھ دلّی کے واقعات کا بھی ایک جہاں آباد ہے۔

اُن کے کسی دوست کا کہنا ہے:

حسن نظامی کی پیری اور پیرزادی نے اُن کی انشا پردازی کو چمکایا اور اُن کی انشا پردازی نے اُن کی پیرزادی اور پیری کو شہرت دی۔

ڈاکٹر کلیم الدین احمد کہتے ہیں:

خواجہ صاحب کا اصل رنگ، خواجہ صاحب کی اصلی اہمیت اُن کی انشائیہ۔ وہ نہایت ہی آسان، سادہ اور پُر تکلف طرز میں لکھتے ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

حالات زندگی:

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی صاحب کا آبائی وطن بدایوں تھا لیکن ان کی پیدائش 15 جون 1916 میں آگرہ میں ہوئی، اس وقت ان کے والد محترم مظفر علی آگرہ کی اعلی عدالت خفیفہ میں بحیثیت رجسٹرار اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم "وکٹوریہ ہائی اسکول، آگرہ مشن اسکول، اور اسلامیہ ہائی اسکول بدایوں میں ہوئی، پھر علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخل ہوئے جہاں سے 1944ء انہوں نے پروفیسر رشید احمد صدیقی کی نگرانی میں پی ایچ ڈی کی تکمیل کی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے مضامین و مقالات لکھنے لگے تھے جو جامعہ دہلی، علیگڑھ میگزین اور دیگر اشاعتی میگزینوں اور جرائد میں شائع ہوتے رہے۔ 1994 میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا انتقال ہوا۔

تصانیف:

☆ لکھنؤ کا دبستان شاعری ☆ کلیات مصحفی ☆ غزل اور متغزلین ☆ آج کا اردو ادب ،

☆ تاریخ زبان ادبیات اردو ☆ تاریخ اصول تنقید ☆ جدید اردو ادبیات

تنقید اور تحقیق نگاری:

تنقید اور تحقیق میں ڈاکٹر صاحب کو دلچسپی یکساں طور پر تھی بعد میں لسانیات اور خاص طور پر اردو لسانیات ان کا محبوب موضوع بن گیا۔ ان کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے (لکھنو کا دبستان شاعری) جو شعبہ اردو مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا پہلا تحقیقی کام تھا انہیں اس زمانے میں شہرت سے ہمکنار کر دیا تھا۔ علی گڑھ سے متعلق کئی اہم خود نوشت سوانح عمریاں اب تک منظر عام پر آچکی ہیں جن میں علی گڑھ کا ماحول اور وہاں کی زندگی اور شخصیات ہمارے لیے پرکشش بھی ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی "رفت و بود" ان میں کئی اعتبار سے زیادہ معلوماتی اور دلچسپ اور مفید ہے۔

قومی زبان سے محبت

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اپنی پوری زندگی اردو زبان و ادب کی خدمت میں میں وقف کر دی تھی۔ اردو زبان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی تحریروں میں اپنا مقصد دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ انہوں نے علمی، ادبی، دینی، اخلاقی اور معاشرتی تحریروں میں جذباتی اندازِ بیان اختیار کرنے کے بجائے استدلال سے کام لیا ہے اور ہر بات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی ہے۔

بے ساختہ اسلوب:

اس میں ڈاکٹر صاحب کے بے ساختہ اسلوب کا بھی بڑا دخل ہے۔ ان کا حافظہ بڑا قوی اور حاضر تھا اور حالات و واقعات کی جزیات انھیں خوب یاد تھیں۔ خودنوشت کا سارا مسودہ قلم برداشتہ وہ تحریر کرتے رہے جس میں کانٹ چھانٹ یا ردوبدل شاذ ہی کہیں نظر آتا ہے۔

سادگی و سلاست

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے دور میں جتنے بھی مشہور و معروف ادیب گزرے ہیں وہ اپنے نثر کے طرز تحریر پر توجہ دیتے تھے اور اردو نثر میں شاعرانہ رنگینی اور آرائشوں کا بہت دخل تھا۔ اردو نثر طوالت اور بے جا تکلفات سے بوجھل ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ان پابندیوں کو خیر باد کہتے ہوئے اپنی تحریروں میں سادہ اور فطری انداز اختیار کرتے ہیں اور صاف اور آسان عبارات میں اپنا مقصد بیان کرتے ہیں۔

اقبال شناسی:

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اقبال شناسوں کے اس ہراول دستے میں سے تھے جو اقبال کے نظریات کی تشریحات کر کے ملّت کے نوجوانوں کو اقبال کے افکار کو اپنانے اور ان کے ہم قدم ہونے کی تلقین کرتے تھے۔

اسلوب کی شگفتگی

پطرس بخاری زبان و بیان کی سادگی سے کام لیتے ہوئے الفاظوں سے اس طرح کھیلتے ہیں کہ ان کو دل سے داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ سادگی، صفائی، روانی، محاورات کے برجستہ استعمال اور شگفتگی کی بدولت اُن کے مضامین میں ایک کشش ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میری زندگی میں میرے خیال میں کوئی بات غیر معمولی نہیں نہ میں غیر معمولی حالات و واقعات سے دوچار ہوا۔ درس و تدریس اور تحقیق میں اتنا مصروف رہتا ہوں کہ اپنی ذات کے بارے میں لکھنا مشکل نظر آتا ہے۔ 1994 میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کا انتقال ہوا لیکن ان کی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی۔

ابنِ انشاء

تعارف:

ابنِ انشاء شاعر بھی ہیں، ادیب بھی۔ انہوں نے غزلیں، نظمیں اور گیت لکھے۔ شاعری میں ان کا ایک مخصوص انداز ہے۔ وہ کبھی کبیر داس کا لہجہ اختیار کرتے ہیں اور انسان دوستی کا پرچار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک انسان کو دوسرے انسان سے محبت کا سبق دیتے ہیں۔ کہیں اپنے اشعار میں زندگی کی اداسیوں، محرومیوں اور دکھوں کا میر تقی میر کی طرح اظہار کرتے ہیں اور کہیں نظیر اکبر آبادی کی طرح ملاقائی اور عوامی انداز اختیار کرتی ہیں اور بڑی سادگی، روانی اور عوامی زبان میں عوام کے احساس کو اردو ادب کا جامہ پہناتے ہیں۔

نثر کے میدان میں انہوں نے طنز نگاری کا انداز اختیار کیا۔ طنز میں مزاح کی آمیزش نے ان کی تحریروں کو زیادہ پر اثر بنا دیا۔ عوام سے قریب ہونے کے لئے انہوں نے اخبارات میں کالم نویسی کا آغاز کیا، سفرنامے لکھے، اس طرح اپنے مشاہدات اور تجربات کو طنز و مزاح کے پیرائے میں بیان کر کے شہرت حاصل کی۔

تصانیف

شعری کلام

☆ چاند نگر (پہلا مجموعہ) ☆ اس بستی کے اک کوچے میں (دوسرا مجموعہ) ☆ چینی نظمیں

نثری تصانیف

☆ اردو کی آخری کتاب ☆ خمار گندم ☆ چلتے ہو تو چین کو چلئے ☆ آوارہ گرد کی ڈائری ☆ دنیا گول ہے

☆ ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں

طرزِ تحریر کی خصوصیات

ابنِ انشاء کے طرزِ تحریر کی نمایاں خصوصیات ذیل میں درج ہیں۔

تسلسلِ مشاہدہ

سفرنامہ چونکہ چشم دید واقعات پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس میں شروع سے آخر تک تسلسل کا ہونا ضروری ہے۔ ابنِ انشا کے سفرناموں میں یہ خوبی نظر آتی ہے کہ وہ اپنے مشاہدات کو باہم گڈ مڈ نہیں کرتے وہ بڑے سلیقے سے مختلف وقعات کو ایک کڑی میں پروتے ہیں۔ ہر مشاہدہ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ وہ تسلسل کے ساتھ ایک منظر کے بعد دوسرا منظر سامنے لاتے ہیں۔ اس طرح ان کا سفرنامہ مشاہدات اور تجربات کا ایک رنگین دفتر بن جاتا ہے۔ وہ تیکھے طنز اور شائستہ مسکراہٹوں سے اپنی تحریر کو اور زیادہ پر اثر بنا دیتے ہیں۔

طنز و مزاح کی آمیزش

ابنِ انشا اپنی تحریروں میں طنز و مزاح کو بڑے دلکش پیرائے میں استعمال کرنے کا فن جانتے ہیں اس لئے ان کے سفرناموں میں طنز و مزاح کی آمیزش سے دلچسپی اور شگفتگی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ جملوں اور فقروں میں طنز کی کیفیت شامل کر کے واقعات کے تانے بانے کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ قاری کا انہماک بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر مزاح کی باتیں مان کر اور پر لطف اور دلکش بنا دیتی ہے۔

مشاہدات میں قاری کی شمولیت

یوں تو سفرنامہ ذاتی مشاہدات اور تجربات کو تحریر کرنے کا نام ہے لیکن سفرنامہ کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ لکھنے والا اپنے مشاہدات کو اس طرح پیش کرے کہ قاری کی نگاہوں کے سامنے بھی وہ مناظر آ جائیں اور وہ بھی خود کو ہمسفر محسوس کرے۔ انشا کے سفرناموں میں خصوصیت موجود ہے۔ پہلے جو سفرنامے لکھے گئے ان میں مشاہدات و تجربات کے برعکس واقعات کا بیان ہوا کرتے تھا لیکن انشا کے سفرناموں میں ان کے مشاہدے اس کے اثرات اور تجربات کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ وہ آنکھ بند کر کے سفر نہیں کرتے بلکہ کھلی آنکھوں سے جذبات و احساسات کو بیدار کر کے چیزوں کو دیکھتے اور ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قاری پوری سفر میں ان کا ہمسفر ہوتا ہے

JOIN FOR MORE!!!

اور جو کچھ وہ محسوس کرتے ہیں وہی قاری بھی محسوس کرتا ہے۔

منظر کشی

سفرنامے کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ واقعات کے بیان کے ساتھ ماحول کی منظر کشی بھی کی جائے جو کچھ دیکھا جائے۔ کیونکہ کائنات میں ہر طرف فطرت کے مناظر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کا پر اثر بیان دل و دماغ کو متاثر کرتا ہے۔ وہ مناظر کی اس طرح تصویر کشی کرتے ہیں کہ کوئی بات رہ نہیں جاتی اور جس منظر سے کوئی خاص تاثر پیدا کرنا ہوتا ہے تو وہ اپنے مخصوص انداز اور تخیل کی رنگ آمیزی سی اسے اور بھی پر اثر اور نمایاں کر کے پیش کرتے ہیں اور قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے گویا وہ بھی اس منظر کو دیکھ رہا ہے یا خود وہاں موجود ہے۔

طنز و مزاح میں متانت

ابنِ انشاء چونکہ اپنی تحریروں کو طنز و مزاح سے پر اثر بنانے کے عادی ہیں۔ اس لئے ان کی ہر تحریر میں ان کا یہ رنگ جھلکتا ہے۔ ان کے سفرنامے ان کے اس اندازِ تحریر کی واضح مثالیں ہیں۔ طنز و مزاح بڑے شعور اور سلیقے کا کام ہے ورنہ تحریر میں پھکڑ پن پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ طنز و مزاح کے میدان میں قدم رکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اس میں بڑے شعور اور سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس کے ذریعے ایک طرف لوگوں کو ان کی خامیوں اور کمزوریوں کو دکھانا مقصود ہوتا ہے تو دوسری طرف لوگوں کے شعور کو بیدار کرنا ہوتا ہے جس میں تضحیک نہیں اصلاح کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک کامیاب مزاح نگار کا کام یہی ہے کہ وہ ہنسی ہنسی میں طنز کے ہلکے نشتر سے زخموں کو کریدے اور اس طرح اپنا مافی الضمیر بیان کر دے کہ بات بھی بری نہ لگے اور دل پر بھی اثر کر جائے۔

زبان و بیان

ابنِ انشاء کی زبان سادہ اور عام فہم ہے وہ نہایت سادہ انداز میں اپنی بات بیان کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پیشِ نظر عام قاری ہے جو ان کی تحریروں کو پڑھے گا۔ اس لئے وہ اس بات کا بطور خاص خیال رکھتے ہیں کہ بات سادہ اور پر اثر انداز میں کہی جائے۔ ان کی منفرد تحریر خود منہ سے بولتی ہے کہ اس کے خالق ابنِ انشا ہیں۔ اپنے اسی اسلوبِ نگارش کی وجہ سے انہوں نے موجودہ دور کے ادب میں اپنے لئے ایک باوقار مقام بنایا ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کی تحریروں میں طنز و مزاح بھی ہے۔ لطف و اثر بھی، شگفتگی بھی ہے۔ دلکشی بھی، جذبات و احساسات بھی ہیں تو معاشرت و ثقافت پر اظہارِ خیال بھی۔ یہی سب چیزیں ہیں جو انہیں ایک منفرد منفرد نثر نگار اور شاعر کی حیثیت سے ادبی دنیا میں پیش کرتی ہیں۔

حرفِ آخر

اردو ادب کی ان مختلف اصناف میں ابنِ انشا نے بڑا نام کمایا۔ طبیعت کی جولانی اور شگفتگی، مزاج کی حس لطافت و ظرافت اور طنز کی تراش و خراش، غرضیکہ سب ہی کچھ ان کی تحریروں سے نمایاں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی شاعری اور مضامین آج بھی عوام اور خواص میں مقبول ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

افسانہ نگار

احمد ندیم قاسمی

حالات زندگی:

احمد ندیم قاسمی مغربی پنجاب کی وادی سون سکیسر کے گاؤں انگہ ضلع خوشاب میں ۲۰۔نومبر ۱۹۱۶ء کو پیدا ہوئے۔اصل نام احمد شاہ اور اعوان برادری سے تعلق رکھتے تھے۔جب کہ ندیم ان کا تخلص تھا۔اپنے پردادا محمد قاسم کی رعایت سے ''قاسمی'' کہلائے، پاکستان کے ایک معروف ادیب، شاعر، افسانہ نگار، صحافی، مدیر اور کالم نگار تھے۔افسانہ اور شاعری میں شہرت پائی۔ترقی پسند تحریک سے وابستہ نمایاں مصنفین میں شمار ہوتا تھا۔انھوں نے پچاس سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔۱۰ جولائی ۲۰۰۶ء کو مختصر علالت کے بعد حرکت قلب بند ہونے سے قریبا 90 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن ..... یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

تصانیف:

ان کی اہم تصانیف یہ ہیں۔

☆چوپال ☆بگولے ☆طلوع وغروب ☆سیلاب، آبلے

☆بازار حیات ☆برگِ حنا ☆نیلا پتھر

JOIN FOR MORE!!!

احمد ندیم قاسمی کا افسانہ:

یوں تو احمد ندیم قاسمی مختلف اصناف ادب کی تحقیق اور تخلیق میں مصروف رہے جن میں نظم، غزل، افسانہ، کالم نویسی، بچوں کی کتب، تراجم، تنقید اور ڈرامے وغیرہ شامل ہیں۔لیکن زیر نظر مضمون میں صرف ان کے فن افسانہ نگاری کی خصوصیات بیان کی جائے گی۔

پنجاب کی دیہاتی زندگی:

احمد ندیم قاسمی کو خصوصی طور پر پنجاب کی دیہاتی زندگی کا عکاس افسانہ نگار کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دیہی پس منظر میں لکھے گئے ندیم کے افسانے ہمارے دیہاتی زندگی، وہاں کی طرز معاشرت، رہن سہن، طبقاتی نظام، معصومیت کے دلکش جیتے جاگتے مرقعے ہیں۔اردو میں پنجاب کے دیہات کے پس منظر میں اس سے خوبصورت کہانیاں اور کسی نے نہیں لکھیں۔

زندگی اور معاشرے کا شعور:

دراصل جس زندگی سے افسانہ نگار کی واقفیت درست اور براہ راست ہو اسے اپنے تخیل میں خام مواد کے طور پر استعمال کرنا سونے پر سہاگے کے مترادف ہوتا ہے۔ندیم کے افسانوں کے بنیادی موضوعات وہ معاشرتی اور معاشی ناہمواریاں ہیں جو ہماری زندگی میں قدم قدم پر موجود ہیں اور بھیس بدل بدل کر ہمارا استحصال کرتی ہیں انہی کی وجہ سے ظلم وانتقام کی بے شمار شکلیں ہمارے سامنے آتی ہیں اور جو اپنے مفادات کی بقا کے لیے ایک دوسرے سے بڑھ کر ان فاصلوں کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔

جنگ عظیم کے اثرات:

اسی طرح ان کے افسانوں کے موضوعات میں مقامی جنگوں کے علاوہ عالمی جنگیں بھی ہیں جن کی تباہ کاریوں کا نشانہ وہ جو اپنی مادی ضروریات کے ہاتھوں مجبور ہو کر بخوشی غیر حکومت کے مقاصد کی تکمیل غیر محسوس طریقے سے کرتے ہیں۔اور یوں غیروں کی جنگ میں ایندھن کا کام دیتے ہیں۔ندیم کے ایسے افسانوں میں خصوصیت کے ساتھ ''ہیروشیما سے پہلے۔ہیروشیما کے بعد'' کا نام لیا جا سکتا ہے جو اردو کے بہترین اور بڑے افسانوں میں سے ایک ہے اور جس سے ہمیں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے

کر جنگیں اپنے اختتام کے باجود بھی ایسے کئی سماجی مسائل پیدا کر جاتی ہیں جن میں نہ انسانوں کی عزت وعصمت محفوظ رہتی ہے نہ خاندانوں کی عظمت وآبرو۔

وسعت نظر:

ادیب کا کام اپنے دور کی زندگی کی ترجمانی اپنے دور کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر عہد کے لیے کرنا ہوتی ہے۔ افسانے ''ہیروشیما سے پہلے۔ ہیروشیما کے بعد'' میں ہیروشیما پر بم گرا کر جاپانیوں کو شکست دینا دوسری عالمگیر جنگ کا شدید ترین واقعہ تھا لیکن ندیم صرف اس واقعے کے حوالے سے نہیں بلکہ پوری جنگ کے پس منظر میں اس کا اثر پنجاب کے دیہات کی زندگی پر دکھاتا ہے۔ ہیرو کی غیر موجودگی میں اپنے فطری تقاضوں سے شکست کھانے والی اور دوسرے مرد کے ساتھ بھاگ جانے والی ہیروئی بیوی اور خود ہیروو قت کے ساتھ انسان کی تذلیل اور برباد ہونے والی انسانیت کی ایک علامت دکھاتا ہے۔

فسادات:

ندیم کے افسانوں کا ایک اہم موضوع وہ فسادات ہیں جو تقسیم ہند کے موقعے پر رونما ہوئے اور جن کے پس منظر میں ظلم، جبر، درندگی اور بربریت کی ایسی ایسی داستانیں پنہاں ہیں جن سے انسانیت کی تذلیل تکمیل تک پہنچی اور انسانی فطرت وذہنیت کے انتہائی پست پہلو سامنے آئے۔ یہ موضوع ایسا ہے جس نے اردو افسانے کو ایک نئی جہت سے روشناس کرایا اور اردو کے تقریباً سبھی قدآور افسانہ نگاروں نے اس موضوع کو مثبت یا منفی حوالوں سے برتا۔ فسادات کے حوالے سے افسانے لکھتے ہوئے چھوٹی چھوٹی جزئیات پیش کرنے میں اپنی جذباتیت کو غالب نہیں آنے دیا اور ایک بالغ النظر ادیب کے طور پر اپنے فرائض سے روگردانی نہیں کی۔

غیر جانبداری:

فسادات کے موضوع پر لکھتے ہوئے بہت سے اہل قلم صرف تصویر کا ایک رخ بے ان کرتے ہیں۔ پاکستان سے تعلق رکھنے والوں نے غیر مسلموں کے ظلم وتشدد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور ہندوستان کے لکھاریوں نے مسلمانوں کو اس بربریت کا ذمے دار ٹھہرایا۔ تاہم منٹو کے بعد ندیم وہ اہم افسانہ نگار ہیں جس نے اپنے افسانوں میں یہ بات کہنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حالات ہوتے ہیں جو کسی بھی قوم یا کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو مطمئن یا مشتعل کر سکتے ہیں اور یہ کہ انسان دوستی کے عناصر آفاقی ہیں یہ صرف مسلمانوں، ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں تک محدود نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں اُن کا افسانہ ''پرمیشور سنگھ'' بہت ہی اہم ہے۔

انسانی نفسیات سے آگاہی:

ندیم نے اپنے افسانوں میں قبائلی دور کے انسان کے انتقام اور رقابت کے اس موضوع کو بھی اپنی تحریروں میں شامل کیا ہے جو معمولی سے جھگڑے، نام نہاد انا پرستی یا جھوٹی غیرت کی بدولت انسانوں کو خاک وخون میں نہلا دینے کا پس منظر رکھتا ہے۔ لیکن یہاں بھی ندیم انسانی نفسیات سے آگاہی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ پتھر سے پتھر دل انسان میں بھی محبت اور رحم کے جذبات ضرور ہوتے ہیں اور کہیں نہ کہیں کبھی نہ کبھی غیر محسوس طریقے سے اپنا اظہار بھی کرتے ہیں۔ نیکی اور بدی کے جذبات انسانی کردار کی تکمیل کا ایک حوالہ ہیں۔ اس ضمن میں ان کے مشہور افسانے ''گنڈاسا'' کی مثال دی جا سکتی ہے جس میں ندیم نے ایک بہت ہی نازک لیکن جمالیاتی، نفسیاتی حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔

موضوعات کا تنوع:

زندگی کا ہر جذبہ ایک دوسرے سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح ملا ہوا ہوتا ہے کوئی جذبہ اپنی ذات میں اکیلا نہیں ہوتا۔ پھول کی خوشبو میں مٹی کی مہک کے ساتھ ساتھ روشنی کی دھنک اور ہوا کی سرسراہٹ بھی شامل ہوتی ہے۔

ندیم ایسا فنکار ہے جس نے ان نازک جزئیات کو محسوس بھی کیا ہے اور ان کے فنکارانہ اظہار میں اپنے فنی قد وقامت کی بلندی کا ثبوت بھی بہم پہنچایا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ ان کی موجودگی یا غیر موجودگی میں انسانی فکر نظر اور ادراک وتیقن کو کس حد تک وسعت دے سکتا ہے۔ اور اس کا نکتہ نظر میں کتنی انفرادیت، ہمہ گیری، توازن اور مرکزیت ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

توازن اور غیر جانبداری:

گوپی چند نارنگ نے درست کہا ہے کہ مقصد اور فن کا حسین توازن ندیم کی کامیابی کی ضمانت بن گیا ہے۔ ندیم ترقی پسند تحریک کے سرگرم رکن اور عہدیدار بھی رہے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اتنا بڑا ترقی پسند نہیں جتنا بڑا فنکار ہے۔۔ اس کی جڑیں اپنی مٹی میں بڑی گہری ہیں۔ یوں وہ ایک غیر جانبدار مصنف کے روپ میں ابھرتے ہیں جن کے ہاں نظریے کی آمیزش سے تیار کیے گئے افسانے جا بجا نظر آتے ہیں اور دوسری طرف رومان کی حسین فضا اور وطن کی مٹی سے محبت کا حوالہ بھی اُن کے افسانوں کا بنیادی خاصہ ہے۔

مجموعی جائزہ:

ندیم کے افسانوں میں زمین اور انسان سے ان کی بے پایاں محبت اور بھی کھل کر سامنے آتی ہے۔ ان کا تخیل پنجاب کی فضاؤں میں چپے چپے سے روشناس ہے اور اس نے لہلہاتے کھیتوں، گنگناتے دریاؤں اور دھوپ میں جھلستے ہوئے ریت کے ذروں کو ایک نئی زبان دی ہے، نئی معنویت عطا کی ہے۔ پنجاب کی رومانی فضا اور وہاں کے لوگوں کی معصومیت و زندہ دلی، جرات و جفاکشی اور خدمت و ایثار کی تصویریں ان کے افسانوں میں آخر لازوال ہوگئی ہیں۔ ان کے ہاں غم و غصے، تعصب و نفرت اور تنگ نظر و تشدد کا شائبہ تک نہیں۔ ہر کہیں مہر و محبت، خلوص و وفا اور صدق و صفا کا سونا چمکتا محسوس ہوتا ہے اور یہی ان کی بڑائی کی دلیل ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

آراء ناقدین:

"احمد ندیم قاسمی نے اپنی (ادبی) زندگی کی ابتداء میں ہی ترقی پسند تحریک سے گہرا اثر قبول کیا ہے' اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ احمد ندیم قاسمی کی ادبی زندگی اور ترقی پسند تحریک ساتھ ساتھ شروع ہوئی اور پروان چڑھی ہے۔"

منشی پریم چند

تعارف:

منشی پریم چند جس کا اصل نام دھنپت رائے سریوستوا تھا 31 جولائی 1880ء میں بنارس کے قریب گاؤں لاہما میں، جہاں ان کا والد پوسٹ آفس میں ایک کلرک تھے، پیدا ہوئے۔ پریم چند کے والدین نوجوان عمر میں ہی مر گئے۔ ان کی ماں جب وہ چودہ برس کا تھے وفات پا گئی اور ان کے والد نے دوسری شادی کر لی۔ پریم چند کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ زندگی کے ابتدائی دور میں پریم چند نے بہت زیادہ غربت کا سامنا کیا۔ ان کا انتقال 8 اکتوبر 1936 کو 56 سال کی عمر میں ہوا۔

تصانیف:

☆ سوزِ وطن ☆ پریم پچیسی ☆ پریم پچیسی ☆ پریم بتیسی ☆ خاکِ پروانہ
☆ خواب و خیال ☆ فردوسِ خیال، ☆ پریم چالیسی، ☆ آخر تحفہ اور زادِ راہ

اردو کا پہلا افسانہ نگار:

یہ محض ایک اتفاق ہے کہ اردو افسانے کو ابتدائی دور میں ہی دو ایسے افسانہ نگار مل گئے جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف مزاج رکھتے تھے۔ پریم چند ایک رجحان کی ترویج کر رہے تھے اور سجاد حیدر دوسرے نظریے کے علمبردار تھے۔ لیکن پریم چند کی مقصدیت سجاد حیدر یلدرم کی رومانیت پر بازی لے گئی۔ مقصدیت اور اصلاح کے پہلو نے پریم چند کے فن کو بہت زیادہ چمکایا۔

اردو کا پہلا اہم اور بڑا افسانہ نگار پریم چند ہے۔ اردو ادب میں یہ ایک ایسا نام ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان کے دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح آپ نے پیار، محبت، عشق، ہیرو، ہیروئن جیسے سطحی موضوعات کو اپنے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ حقیقت پسندی کی طرف اپنے ذہن و قلم کا رُخ جمایا۔ آپ کے قلم سے ہندوستان کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ آپ کی افسانہ نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پریم چند کی افسانہ نگاری میں تدریجاً ارتقاء:

پریم چند کی افسانہ نگاری میں بتدریج ارتقا نظر آتا ہے۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعے "سوزِ وطن" سے لے کر آخری دور کے مجموعوں "واردات" اور "زادِ راہ" کے افسانوں میں بڑا واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے ہم ان کی افسانہ نگاری کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہیں پہلا دور 1909ء سے لے کر 1920ء کے عرصہ پر محیط ہے۔ دوسرا دور 1920ء سے 1932ء تک اور تیسرا دور جو نسبتاً مختصر دور ہے 1932ء سے 1936ء تک ان کی زندگی کے آخری چار سال کا احاطہ کرتا ہے۔ پہلے دور کے افسانوں میں رومانی تصورات نمایاں ہیں۔ دوسرے دور میں معاشرتی برائیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی ہے اسی طرح سیاسی موضوعات بھی اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔ اپنے مختصر اور آخری دور میں پریم چند کے ہاں فنی عظمت اور موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے۔

اصلاح معاشرہ:

ان تاریخی اور نیم تاریخی افسانوں کے بعد اپنے دوسرے دور میں پریم چند نے قومی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دی، انہوں نے ہندو معاشرے کی قبیح رسوم پر قلم اٹھایا اور بیوہ عورت کے مسائل، بے جوڑ شادی، جہیز کی لعنت اور چھوت چھات جیسے موضوعات پر افسانے لکھے۔ اس دور میں وہ ایک مصلح کی حیثیت سے اپنے معاشرے کو احترامِ انسانیت اور مشرقی و مغربی تہذیب کے فرق اور اخلاق اقدار کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

سیاسی موضوعات:

افسانہ نگاری کے دوسرے دور میں پریم چند سیاست کے بکھیڑوں میں الجھ گئے تھے۔ یہ دور برصغیر میں تحریکوں کا دور تھا۔ تحریکِ خلافت، تحریک عدم تعاون، تحریک ستہ گرہ، سول نافرمانی وغیرہ۔ برصغیر کے تمام باشندے ملک آزاد کرانے کا مطالبہ کر رہے تھے پریم چند نے سیاسی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے قلم کے ذریعہ اس مہم میں شرکت کی ٹھانی اور سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

JOIN FOR MORE!!!

شاعری پر تبصرہ
خواجہ میر درد

تعارف:

سید خواجہ میر نام اور درد تخلص تھا۔ درد اردو ادب میں صوفی شاعر کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ باپ کا نام محمد ناصر عندلیب تھا۔ ۱۷۱۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب ایک صاحب دیوان صوفی شاعر اور گوشہ نشیں بزرگ تھے۔ درد کی تعلیم اسی دینی ماحول میں ہوئی۔ خواجہ صاحب نے ابتدا میں فوج کی ملازمت کی لیکن والد کے حکم پر ملازمت چھوڑ کر اٹھائیس برس کی عمر میں گوشہ نشیں ہو گئے اور باپ کے انتقال کے بعد ان کی سجادہ نشیں اور قائم مقام ہوئے۔ اس کا اثر ان کی شاعری پر پڑا اور درد نے غزل میں تصوفانہ خیالات داخل کیے۔

خصوصیاتِ کلام:

خواجہ میر درد کے نمایاں محاسنِ کلام درج ذیل ہیں:

(۱) تصوف:

تصوف "صوفیت" سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا عشق۔ درد پہلے شاعر ہیں جنہوں نے اسے فن بنایا۔ خواجہ میر درد نے تصوف میں جو کہا آج تک کسی سے نہ ہوا۔ درد کی عظمت اس میں ہے کہ ان کی شاعری ایک صوفی کی شاعری معلوم ہوتی ہیں۔ وہ صوفیانہ عقائد اور مسائل کا تذکرہ ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی شاعری کا لب ولہجہ صوفیانہ ہے۔ مثال کے طور پر:

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
ارض وسما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے کہ جہاں تو سما سکے

JOIN FOR MORE!!!

(۲) قناعت پسندی:

درد ان کی شاعری میں مصائب زندگی کے خلاف شکوہ شکایت کا وہ رنگ موجود نہیں جو میر کے کلام میں ملتا ہے۔ ان کی فریاد میں تلخی ویاس نہیں۔ جبکہ زمانے کی ہلاکت خیزیوں کے سامنے بڑے بڑے ثابت قدم ہار گئے، درد نے اپنا ثبات اور استقلال نہ چھوڑا۔ انھوں نے اپنے دور کے واقعات کے اشارات بھی بہت کم کیے ہیں اور حالات کے گرم وسرد کو اپنی فطرت اور سینے میں سمو لیا ہے۔ عکسِ کلام پیش ہے:

آیا نہ اعتدال میں ہرگز مزاج دہر
میں گرچہ گرم وسرد زمانہ سمو گیا

(۳) خودستائی:

درد کے کلام میں خودستائی کا عنصر بھی واضح رہا۔ کہیں کہیں وہ اپنی تعریف کرتے دکھائی دیئے۔ مثلاً:

پھولے گا اس زبان میں گلزارِ معرفت
یاں میں زمینِ شعر میں یہ تخم بو گیا

(۴) دنیا کی بے ثباتی:

درد چونکہ صوفی شاعر ہیں اور ان کا دل خالق حقیقی کے عشق سے سرشار ہے اسلئے انھوں نے ہمیشہ اپنے کلام کے ذریعے اس امر کو واضح کیا کہ دنیا حقیقی ٹھکانہ نہیں بلکہ حقیقی گھر تو آخرت ہے۔ درد کے کلام میں ہمیں جا بجا دنیا کی حقیقت اور بے ثباتی عیاں نظر آتی ہے۔ مثلاً:

وائے نادانی! وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا
درد کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے، کدھر چلے

(۵)سوز وگداز:

درد کے کلام میں سوز وگداز کثرت سے موجود ہے۔ وہ اکثر سوز کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ان کے کلام میں دنیا کے ہموم وغموم اور مصائب وآلام کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ بلکہ انھوں نے تو زندگی کو طوفان کہہ ڈالا: ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

(۶)وحدت الوجود:

صوفیاء کے دو مختلف مکتبہ خیال ہیں۔ پہلا وحدت الوجود، ان لوگوں کا خیال ہے کہ کائنات کی تمام چیزیں وجود حقیقی کا حصہ ہیں اور ہر شے میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے۔ دوسرا وحدت الشہود، ان لوگوں کا خیال ہے کہ تمام اشیاء خدا نے خارج سے پیدا کیں ہیں اور کائنات کی تمام چیزیں مظہر خداوندی ہیں۔ درد وحدت الوجود کے نظریہ کے قائل ہیں۔ مثلاً: ؎

ہے غلط گر گماں میں کچھ ہے
تجھ سوا بھی جہاں میں کچھ ہے

(۷)شرف انسانیت:

درد کے یہاں عظمتِ انسانی کا احساس سب سے زیادہ ہے۔ وہ صوفیانہ آداب محفل جو شاہ عالم کو بھری محفل میں ٹوک دیتے ہیں۔ان کے کلام میں جگہ جگہ پائی جاتی ہیں۔ وہ جگہ جگہ انسانیت کی عظمت کا پرچار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً: ؎

باغِ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
گر یار ہیں تو ہم ہیں، اغیار ہیں تو ہم ہیں
وابستہ ہے ہمیں سے گر جبر و گر قدر
مجبور ہیں تو ہم ہیں، مختار ہیں تو ہم ہیں

JOIN FOR MORE!!!

(۸)رنگِ تغزل:

درد کے یہاں ایسے اشعار کی کمی نہیں جن میں خالص عشق کا انداز پایا جاتا ہے لیکن انھوں نے جو عشقیہ اشعار کہے ہیں اور حسن وعشق کے نغمے الاپے ہیں اس میں بھی پاکیزگی، تخیل اور احترام حسن و عشق پایا جاتا ہے۔ مثلاً:

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

(۹)اخلاقی مضامین:

درد کی شاعری میں ہمیں جابجا اخلاقی مضامین بھی ملتے ہیں، مثلاً:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

(۱۰)بلاغت:

اچھا شاعر وہ ہوتا ہے جس کی بات پڑھنے والا آسانی سے اور فوراً سمجھ جائے۔اس خوبی کے لیے زبان وبیان پر پوری قدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ درد اس خوبی سے مالا مال ہیں۔ زبان وبیان پر انھیں مکمل عبور حاصل ہے۔ الفاظ کے چناؤ میں بھی انھیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ اسی لیے ان کا کلام ہر پڑھنے والا نہ صرف فوری طور پر سمجھ جاتا ہے بلکہ اس میں موجود پیغام بھی قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً ؎

ان دنوں کچھ عجب ہے میرا حال
دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہے

اردو (لازمی)

ناقدین کی آراء:

☆.... میر تقی میر کہتے ہیں:

"دردؔ بہت کا زور آور شاعر ہے۔"

☆.... محمد حسین آزاد کہتے ہیں:

"چھوٹی چھوٹی بحروں میں جو اکثر غزلیں لکھتے ہیں گویا تلواروں کی آبداری نشتر میں بھر دیتے ہیں۔"

☆.... امیر مینائی ان کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں:

"یہ پسی ہوئی بجلیاں معلوم ہوتی ہیں"۔

☆.... رام بابو سکسینہ کہتے ہیں:

"دردؔ اردو شاعری کے تاج کا سب سے بڑا ہیرا ہے۔"

☆.... میر حسن ان کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں:

"خواجہ میر دردؔ کا کلام اگرچہ مختصر ہے لیکن حافظ کے کلام کی طرح سراپا انتخاب ہے"۔

☆ .... مرزا علی خاں لطف فرماتے ہیں:

"اگرچہ دیوان مختصر ہے مگر سراپا درد و اثر ہے۔"

☆ .... عظمت اللہ خان تحریر فرماتے ہیں:

"خواجہ میر دردؔ اردو ادبیات میں صوفیانہ شاعری کے باوا آدم ہیں۔"

JOIN FOR MORE!!!

میر تقی میرؔ

ابتدائیہ:

''شاعر کو تلمیذ رحمانی کہا گیا ہے اور پیغمبر کا بھی درجہ دیا گیا ہے۔ لیکن میر تقی میرؔ تنہا شاعر ہیں جن کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔'' اردو زبان کے باکمال، اردو ادب کا بے مثال اور اردو غزل کا لازوال شاعر میر تقی میرؔ اکبر آباد کی سرزمین پر جلوہ گر ہوا۔ دہلی اور لکھنو کے دبستان شعر کی آبیاری کی اور زمانے کے سرد و گرم سہتا ہوا آخر کار لکھنو کی خاک میں روپوش ہو گیا۔ یہ اردو ادب کی خوش قسمتی ہے کہ اس کو شاعری کے ابتدائی دور میں ہی ایسا عالی دماغ اور خوش گو شاعر میسر آیا جس نے زمین سخن کو آسمان پر پہنچا دیا اور اپنی شاعرانہ عظمت سے اس دور کو اردو ادب کا سنہری زمانہ بنا دیا۔

شاعرانہ عظمت:

''ولی دکنی، سودا، نظیر اکبر آبادی، انیس، غالب اور اقبال کے ہوتے ہوئے میر اردو شاعری میں عظمت کے تنہا مسند نشیں نہیں اور نہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ وہ اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔ پھر بھی اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اردو کے تمام شعراء میں سرفہرست میر ہی کا نام رہے گا۔''

ہماری بساط شاعری پر جن شاعروں نے سب سے زیادہ گہرے اور ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں ان میں میر بہت نمایاں ہیں میر کی وفات کو تقریباً ۱۵۰ سو سال ہونے کو آئے ہیں اس مدت میں ہندوستان کی سیاسی اور سماجی، تہذیبی و تمدنی اور لاثانی تاریخ میں ان ان گنت انقلاب آئے اور ہماری زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شاعری بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی لیکن میر کے کلام کی پختگی اور پائیداری ہر دور میں قائم رہی۔ ان کا رنگ ہر عہد میں چمکتا رہا بابائے اردو مولوی عبدالحق کی یہ رائے قول فصل کا درجہ رکھتی ہے کہ

''میر سرتاج شعراء اردو ہیں ان کا کلام اسی ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا جیسے سعدی کا کلام فارسی زبان میں۔ اگر دنیا کے ایسے شاعروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا تو میر کا نام اس فہرست میں ضرور داخل کرنا ہوگا۔''

میر تقی میرؔ کو خود بھی اس بات کا اندازہ تھا، اسی لئے فرما گئے:

جانے کا نہیں شور سخن کا میرے ہرگز
تا حشر جہاں میں میرا دیوان رہے گا

خصوصیات کلام:

آخر وہ کونسی خصوصیات تھیں جنہوں نے میر کو اب تک زندہ رکھا اور ان کی عظمت پر آنچ نہیں آنے دی؟ یہ وہ سوال ہے جو میر کے کلام کا مطالعہ کرنے والے ہر قاری کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو میر کی عظمت اور بقاء کا راز ان چند خصوصیات میں پوشیدہ ہے، احساس کی شدت، تجربے کی گہرائی، مشاہدے کی وسعت، تاثر اور سوز و گداز کی فراوانی، اظہار خیال کی سادگی، جذبہ کی صداقت اور ان سے بڑھ کر اس پر قدرت یہی وہ خصوصیات ہیں جنہوں نے یکجا ہو کر میر کی شاعری کو عظمت اور ہمیشہ کی زندگی عطا کر دی ہے۔

ا۔ دردوغم:

کلام میر کی نمایاں ترین صفت دردوغم ہے۔ میر کی زندگی مصائب و آلام کا ایک سلسلہ تھی جس کا تار بچپن سے لے کر لکھنو جانے تک کبھی نہ ٹوٹا۔ لڑکپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا سید امان اللہ جو ان کے والد کے نہایت عزیز مرید تھے اور میر انہیں اپنی کتاب میں ہر جگہ امِ بزرگوار لکھتے ہیں اور جو انہیں باپ سے کم عزیز نہ تھے وہ پہلے ہی دنیا سے کوچ کر گئے تھے۔ باپ کے مرنے پر بھائی اور عزیز و اقارب نے بہت بے مروتی کی۔ دس گیارہ سال کے سن میں بسر اوقات کی فکر دامن گیر ہوئی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس وقت ان کے دل و دماغ کی کیا کیفیت ہوگی۔ رنج و آلام ان کے رگ و پے میں سرائیت کرتے چلے گئے اور وہ حزن و یاس کی تصویر بن گئے۔ چنانچہ میر کے شاعرانہ آرٹ کا سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے دردوغم کی سچی تصویر کشی کی۔

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو مرتبہ لوٹا گیا
آنسو تو ڈر سے پی گئے لیکن وہ قطرہ آب
ایک آگ تن بدن میں ہمارے لگا گئے

JOIN FOR MORE!!!

۲۔ شخصی پندار:

مندرجہ بالاتمام باتوں کے باوجود میر کی شاعری صرف درد والم اور غم ویاس کی تصویر نہیں وہ اپنی شخصیت کو سمجھتے تھے اور اپنے اوصاف کو بھی خوب جانتے تھے۔ان میں ایک مردانہ وقار اور شخصی پندار تھا۔یہ بھی ان کی شاعرانہ عظمت کی دلیل ہے اور ثابت کرتا ہے کہ ایسے صاحب کمال اور بلند مرتبہ لوگ کم پیدا ہوتے ہیں۔جس کے لئے ممکن ہے کہ نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری کا ماتم کرتی ہو۔میر خود فرماتے ہیں:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انساں نکلتے ہیں

۳۔ تصوف:

تصوف غزل کو شعراء کا دل پسند موضوع رہا ہے اور عام طور سے ''برائے شعر وگفتن'' ہی رہا ہے۔لیکن بعض شعراء تصوف کے مسائل اور رموز سے گہری واقفیت رکھنے کی وجہ سے وحدت الوجود، فقر، توکل، دنیا کی بے ثباتی اور دوسرے صوفیانہ مضامین بڑی خوبصورتی سے غزل کے اشعار میں سموتے ہیں میر بھی اگرچہ باقاعدہ صوفی نہیں تھے۔ان کی شاعری کا بڑا حصہ عشق مجازی کے موضوعات پر ہے لیکن ان میں تصوف کے مضامین کی جھلک بھی ملتی ہے۔یہ مضامین محض روایتی انداز میں بیان نہیں ہوتے بلکہ شعریت میں رچے بسے ہوتے ہیں جیسے کہ

ناحق ہم مجبوروں پہ یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا

JOIN FOR MORE!!!

۴۔ خلوص:

خلوص سے مراد یہ ہے کہ جو کیفیت شاعر پر طاری ہو یا جو تجربات، جذبات واحساسات ہوں، شاعر ان کا اشعار کے ذریعے اس طرح صحیح اظہار کرے کہ واردات قلبی اور زندگی کی صداقتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں۔میر نے بھی اظہار خیال میں اسی خلوص سے کام لیا ہے۔اپنے جذبات کا اظہار شعر میں اس طور پر کرتے ہیں:

ہم طور عاشقی سے واقف نہیں ہیں لیکن
دل میں کوئی کسی سے جیسے ملا کرے ہے

حقیقت نہ میر اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

۵۔ موسیقیت:

موسیقی اور ترنم شاعری کی روح اور ایمان ہیں۔ان کے بغیر کوئی شاعری اعلیٰ درجے کی قرار نہیں دی جاسکتی۔میر کی شاعری ترنم اور موسیقیت کے جوہر سے مالا مال ہے۔میر کے پاس طویل بحروں کے اشعار اتنے مترنم اور پر لطف ہیں کہ ان کی پوری کیفیات کا بیان کرنا مشکل ہے۔ان میں بعض شوق کا اظہار کرتے ہیں۔بعض تمناؤں اور آرزوؤں کا خون کرتے ہیں ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل چند اشعار:

کبھی لطف سے نہ سخن کیا کبھو بات کہ نہ لگا لیا
وہی لحظہ لحظہ خطاب ہے وہی لمحہ لمحہ عتاب ہے

دور بہت بھاگو ہو ہم سے سیکھ طریق غزالوں کا
وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا

۶۔ الفاظ کی سادگی:

میر کے کلام کی سب سے اہم خصوصیت الفاظ کی سادگی ہے۔ جس وقت یہ سادگی سہل اور ممتنع کی حد میں داخل ہوتی ہے تو حیرت انگیز کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ باوجود اتنا زمانہ گزرنے کے الفاظ میں روزمرہ کا استعمال اور زبان کی سادگی اس طرح موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور کے کسی بہت ہی کہنہ مشق شاعر کا کلام ہے۔ میر کی سادگی، سادہ مگر بہت ہی موثر انداز میں ہے۔

شام ہی سے بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچھتاؤ گے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کے

۷۔ میر کا خطابیہ انداز:

خطابیہ انداز سے مراد ہے کہ شاعر اپنے کلام میں کسی کو مخاطب کرنے کی کوشش کرے اور قاری خود کو شاعر کو ہم کلام ہوتا محسوس کرے۔ یہ خطابیہ انداز خاص طور پر میر کو بہت پسند تھا۔ آپ کے کلام میں جابجا ایسے اشعار ملتے ہیں۔ یہ انداز میر کے کلام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لگا نا دل کو کہیں کیا سنا نہیں تو نے
جو کچھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا

چلتے ہو تو چمن کو چلیے سنتے ہیں کہ بہاراں ہیں
پات ہرے ہیں پھول کھلے ہیں کم کم بادو بہاراں ہیں

۸۔ حالات زمانہ کی تصویر کشی:

میر کی شاعری داخلی کیفیات کے ساتھ ساتھ خارجی حالات و واقعات کی عکاسی بھی شامل ہے۔ عام طور پر میر کو ایک درد و بیں شاعر سمجھا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ اپنی ذات میں گم ہو جانے کے باوجود اپنے دور کے خارجی عوامل سے آنکھیں بند کر کے بیٹھ نہیں رہے۔ چنانچہ میر نے اپنی غزل کے مخصوص لب و لہجہ میں اپنے دور کے حالات کا مرقع کھینچا ہے یہ مرقع ایسا ہے کہ اس دور لازوال کی ہو بہو تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ:

"اگر اس زمانے کے حالات کی کوئی تاریخ نہ بھی لکھی جاتی تو میر کی شاعری کو پڑھ کر ایک گہری نظر رکھنے والا اس زمانے کی تاریخ کو مرتب کر سکتا ہے۔" اشعار ملاحظہ ہوں۔

میر صاحب زمانہ نازک ہے
دونوں ہاتھوں سے تھامیئے دستار

دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے
جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

۹۔ اختتامیہ:

مختصر یہ کہ بقول نیاز فتح پوری:

"فن اور جذبات کے لحاظ سے میر کا ایک خاص رنگ تھا اور اسی رنگ سے وہ الگ پہچانے جا سکتے ہیں۔"

میر، میر کاروان شعر و ادب تھے، ہیں اور رہیں گے۔ انہیں بھی اپنی اس اہمیت کا احساس تھا۔ اس لئے کہہ گئے کہ:

جانے کا نہیں شور سخن کا میرے ہرگز
تا حشر جہاں میں میرا دیوان رہے گا

JOIN FOR MORE!!!

مرزا اسداللہ خان غالب

حرفِ آغاز:

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے کوئی بتلاوے کہ ہم بتلائیں کیا

مرزا اسداللہ خان غالب کا تعارف کرانا بلاشبہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ وہ اردو شاعری کی دنیا کا وہ درخشاں آفتاب ہیں جو تا قیامت اسی آب و تاب سے روشن رہے گا۔ غالب بحیثیت شاعر ایک ایسی شخصیت ہے جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ وہ ایک مکمل دور ہیں۔ غالب کو اردو کا پہلا فلسفی شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ ایک منفرد اندازِ فکر کے بانی ہیں۔ ان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے دیوان کو ہندوستان کی الہامی کتاب تسلیم کیا گیا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کو ہر دور میں تسلیم کیا گیا۔ خود وہ بھی اس کا ادراک رکھتے ہیں، چنانچہ رقم طراز ہیں:

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیان اور

خصوصیاتِ کلامِ غالب:

غالب کی ریختہ نگاری کی نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

(۱) جدت طرازی:

غالب کے قصرِ نظم و نثر کی بنیاد ہی جدتِ خیال و بیان پر رکھی گئی ہے۔ ان کی اختراع پسند طبیعت بیان کے نئے نئے پیرائے تلاش کرتی ہے۔ یہ جدت ادا میں، مضامین میں، تشبیہات میں، استعارات میں، خیال میں، غرض ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے۔ بقول حالی:

"جس روش پر دوسرے چل رہے تھے مرزا نے اس سے الگ ایک نئی روش اختیار کی۔"

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

(۲) جدتِ ادا:

غالب کی شاعری میں جہاں نت نئے موضوعات بیان ہوئے ہیں۔ وہاں ان کا طرزِ ادا بھی بہت مختلف اور منفرد ہے۔ وہ معمولی مضامین اس حسن و خوبی سے شعر میں باندھتے ہیں کہ دل میں اتر جاتے ہیں۔ غالب کی شاعرانہ عظمت کا قصر ان کی جدت طرازی پر تعمیر ہوا ہے۔ مثلاً:

تیری وفا سے کیا ہو تلافی، کہ دہر میں
تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے ستم ہوئے

(۳) فکر و فلسفہ:

غالب کا مزاج فلسفیانہ ہے۔ وہ حیات و کائنات کے مختلف پہلوؤں پر مفکرانہ اور حکیمانہ خیالات رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے غزل حدیثِ دلبری سے بڑھ کر حدیثِ زندگی بن گئی ہے۔ غالب کا یہ فلسفہ زندگی کی پر پیچ راہوں میں روشنی کی مانند ہے۔ عکسِ کلام ملاحظہ کیجیے:؟

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ!
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے
بازیچۂ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا میرے آگے

(۴) روایت سے بغاوت:

غالب طبعاً ایک جدت طراز اور روایت شکن شاعر تھے۔ وہ زندگی میں تقلید کی روش کو پسند نہیں کرتے۔ انھوں نے روایت پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور زندگی کو عطیہ خداوندی سمجھ کر اس کے گوناگوں حسن کی طرف اپنی چشم تماشا کو وا کیا۔ انھوں نے زندگی کی تکلیفوں پر کڑھنے کے بجائے ایک حوصلے سے کام لیا۔ وہ ایسی روایات پر بھی بیباکانہ تنقید کرتے ہیں جو ہمارے لئے مسلماتِ شعری کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً:

JOIN FOR MORE!!!

ایسی جنت کا کیا کرے کوئی
جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں
مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر ملے

(۵)ندرتِ خیال:

خیال کی ندرت غالب کی بہت اہم خصوصیت ہے۔ وہ غزل کے انوکھے مضامین کو زیادہ مؤثر اور شگفتہ بنانے کے لئے خوبصورت تراکیب، استعارات اور نادر تشبیہات سے کام لیتے ہیں۔ مثلاً:

بس کے دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

(۶)جذبۂ عشق:

غالب کا نظریہ عشق بھی اوروں سے مختلف ہے۔ نہ وہ سوز و گداز ہے اور نہ وہ سپردگی اور والہانہ پن ہے۔ ان کے درد و غم پر ہنس لینے کا جذبہ موجود ہے۔ عشق کی وجدانی اور حیات کی آسودگی کا اظہار بھی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزہ پایا
درد کی دوا پائی، درد بے دوا پایا

(۷)حقیقت پسندی:

غالب فطرتِ انسانی اور نفسیات کے گہرے رمز آشنا تھے۔ وہ زندگی اور اس کے مصائب و وسائل کو حقیقت پسندانہ نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں انسانی نفسیات کا گہرا شعور حاصل ہے۔ اور انھوں نے اپنے اس شعور سے نہایت مفید نتائج اخذ کئے ہیں۔ مثلاً:

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پہ کہ آساں ہو گئیں

(۸)مضمون آفرینی:

غالب کے نزدیک شاعری محض قافیہ پیمائی نہیں، بلکہ مضمون آفرینی ہے۔ وہ اشعار میں خیال افروز نکات اور باریکیاں بیان کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

(۹)ایجاز و اختصار:

غزل میں بات ڈھکا چھپا کر کہنا ان کی بنیادی خصوصیت ہے۔ غالب کم سے کم الفاظ میں بڑے بڑے مضامین یوں ادا کرتے ہیں گویا دریا کو کوزے میں بند کرتے ہیں۔ نمونہ کلام درج ذیل ہے:

کیا فرض ہے سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

(۱۰)غم پسندی:

غالب غم کو بخوشی دل سے لگائے ہوئے ہیں۔ ان کے نظریہ؟ زندگی کے مطابق زندگی کے ہنگاموں میں احساسِ غم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ زندگی کی یہ ہماہمی نوحۂ غم، یا نغمۂ الم کی وجہ سے قائم ہے۔

نالہ ہائے غم کو بھی اے دل! غنیمت جانئے
بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن

JOIN FOR MORE!!!

(۱۱) تصوف:

غالب کی غزل میں ہمیں تصوف کے حقائق بھی جابجا ملتے ہیں۔ جب وہ اس کائنات کو ایک صوفی کی نظر سے دیکھتے ہیں تو معرفت کے نہایت پاکیزہ اور باریک نکتے بیان کرتے ہیں۔ مثلاً:

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

مسائلِ تصوف کو بیان کرتے ہوئے خود سے مخاطب ہیں:

یہ مسائل تصوف، یہ تیرا اندازِ بیاں غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا

(۱۲) نئی تراکیب:

مرزا غالب چوں کہ ہر کام میں جدّت کے قائل تھے۔ اسی لیے انھوں نے اردو زبان کو نئی نئی تراکیب اور نئے الفاظ عطا کیے جس سے اردو غزل کو ایک نئی آن بان ملی اور اس کی دلکشی اور جاذبیت میں اضافہ ہوا۔ ان نئی تراکیب کا استعمال غالب نے اس خوب صورتی سے کیا کہ وہی شعر کا حسن بن گئیں۔ ان کے دیوان کا آغاز ہی ایسے شعر سے ہوتا ہے جس میں چار نئی تراکیب استعمال ہوئی ہیں۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

اس شعر میں ''نقش فریادی، شوخیٔ تحریر، کاغذی پیرہن اور پیکرِ تصویر'' چار نئی تراکیب استعمال کی گئی ہیں جو نئی ہونے کے باوجود غیر مانوس محسوس نہیں ہوتیں۔ اور یہ تراکیب ہی شعر کی جان بن گئی ہیں۔

JOIN FOR MORE!!!

ناقدین کی آراء:

☆.... مجنوں گورکھ پوری کہتے ہیں:

''غالب اردو شاعری کے نئے رہنما ہیں اور دیوانِ غالب اردو کا نیا موڑ ہے۔''

☆.... ڈاکٹر سید عبداللہ غالب کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''غالب کی غزل عام اہل ذوق کے لئے اس لئے زیادہ دلپسند واقع ہوئی ہے کہ اس میں ہم جس انسان سے متعارف ہوتے ہیں اس میں زندگی کی تڑپ زیادہ ہے اس لئے شخصیت میں تمنائے حیات کا عنصر زیادہ ہے۔''

☆.... ڈاکٹر فرمان فتح پوری کہتے ہیں:

''ان کی ظرافت نے ان کی انانیت سے دوچار ہو کر ہمہ گیر طنز کی صورت اختیار کر لی تھی۔''

☆.... پروفیسر رشید احمد صدیقی کہتے ہیں:

''مغلوں نے ہندوستان کو تین تحفے دیے، تاج محل، اردو اور مرزا غالب۔''

☆ .... خود غالب اپنے بارے میں کہتے ہیں:

درخورِ قہر و غضب جب کوئی ہم سا نہ ہوا
پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہیں ہوا

حرفِ آخر:

غالب کی جدت پسندانہ، فلسفہ کی گہرائی، انسانی فطرت سے مکمل واقفیت، حکیمانہ تخیل، خیال کی بلندی، ندرتِ کلام، یہ تمام خوبیاں مل کر ان کو ایک بلند اور عظیم شاعر ثابت کرتی ہیں۔ خود غالب کا کہنا ہے۔

اگر اپنا کہا آپ سمجھے تو کیا سمجھے
مزا کہنے کا جب ہے ایک کہے اور دوسرا سمجھے
کلامِ میر سمجھے اور زبانِ مرزا سمجھے
مگر اپنا کہا یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

داغ دہلوی

حالات زندگی:

نواب مرزا خاں اور تخلص داغ تھا۔ 25 مئی 1831ء کو دہلی میں پیدا ہوئے ابھی چھ سال ہی کے تھے کہ ان کے والد نواب شمس الدین خاں کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی والدہ نے بہادر شاہ ظفر کے بیٹے مرزا فخرو سے شادی کر لی۔ اس طرح داغ قلعہ معلیٰ میں بار یاب ہوئے ان کی پرورش وہیں ہوئی۔ نظام دکن کی استادی کا شرف بھی حاصل ہوا۔ دبیر الدولہ۔ فصیح الملک، نواب ناظم جنگ بہادر کے خطاب ملے۔ 1905ء میں فالج کی وجہ سے حیدر آباد میں وفات پائی۔

معروف شاعروں کو ان کی شاگردی کا شرف:

داغ کو جتنے شاگرد میسر آئے اتنے کسی بھی شاعر کو نہ مل سکے۔ اس کے شاگردوں کا سلسلہ ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا۔ اقبال، جگر مرادآبادی، سیماب اکبرآبادی اور احسن مارہروی جیسے معروف شاعروں کو ان کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے جانشین نوح ناروی بھی ایک معروف شاعر ہیں۔

زبان اور شاعری پر ناز:

داغ زبان و بیان اور فصاحت کے علمبردار شاعر ہیں اس لیے وہ اپنی زبان اور شاعری پر ناز کرتے ہیں۔ اُن کی اس شاعرانہ تعلّی کی مثالیں اُن کی شاعری میں جا بجا موجود ہیں۔

کیا پوچھتے ہو کون ہے یہ کس کی ہے شہرت
کیا تم نے کبھی داغ کا دیوان نہیں دیکھا

JOIN FOR MORE!!!

صاف اور بامحاورہ زبان:

داغ اپنی شاعری میں صاف اور بامحاورہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ روزمرہ محاورے کا استعمال زیادہ کرتے ہیں، مثلاً

آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں
آپ کے ملنے کا ہوگا جسے ارمان ہوگا

کلام میں دلکشی خلوص و صداقت:

داغ صرف زبان کا شاعر ہی نہیں بلکہ اُنکی شاعری میں صداقت اور خلوص کا جذبہ بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ اُن کے کلام میں حد سے زیادہ دلکشی، خلوص اور صداقت واضح طور پر نظر آتا ہے۔ مثلاً

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھ کو
دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو

داغ زبان کے بادشاہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ داغ اردو زبان کے بادشاہ ہیں۔ ان کی کلام میں زبان کا چٹخارا، سلاست، صفائی، سحر آفرینی، رنگینی، شوخی چلبلاہٹ بلا کی پائی جاتی ہے۔ اردو زبان کو داغ کے ہاتھوں انتہائی عروج حاصل ہوا۔

تھے کہاں رات کو آئینہ تو لے کر دیکھو
اور ہوتی ہے خطاوار کی صورت کیسی

طنزیہ انداز:

داغ کی شاعری کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ محبوب کے بارے میں ان کے لب و لہجے میں طنزیہ انداز کی آمیزش نظر آتی ہے۔ مثلاً

غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یہ کہا
دنیا میں بات بھی نہ کرے کیا کسی سے ہم

داغ کی شاعری کا محور:

داغ کی شاعری صرف ایک محور پر گردش کرتی ہے اور وہ ہے عشق۔ مومن کی طرح ان کے ہاں بھی نفسیاتی بصیرت کا اظہار جگہ جگہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر کہتے ہیں۔

رخ روشن کی آگے شمع رکھ کے وہ یہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

حسن بیان:

داغ کی سب سے بڑی خوبی ان کی زبان کا حسن ہے۔ انہوں نے شاعری کو پیچیدہ ترکیبوں، فارسی اور عربی کے غیر مانوس الفاظ سے بچانے کی کوشش کی اور سیدھی سادھی زبان میں واقعات اور محسوسات کو بیان کیا۔ اس وجہ سے ان کا کلام تصنع اور تکلف سے خالی ہے۔

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

جذبات کا شاعر:

داغ نہ فلسفی تھے اور نہ کوئی بڑا نظریہ حیات رکھتے تھے وہ صرف شاعر تھے اور وہ بھی جذبات اور شوخی کے شاعر اُس نے اپنی شاعری میں جذبات کا بھرپور اظہار کیا ہے۔ مثلاً

تو ہے ہرجائی تو اپنا بھی یہی طور سہی
تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی

خوبصورت چہروں کا دلدادہ:

داغ کی زیادہ تر عمر عشق و عاشقی میں گزری دہلی کی ہر مشہور طوائف کے ساتھ اُن کا سلسلہ رہا۔ داغ خوبصورت چہروں کا دلدادہ رہے۔ خواہ وہ گوشت پوست کا انسان ہو یا پتھر کی مورت۔ اُن کی زندگی میں محبوب کے بچھڑنے کی کوئی اہمیت نہیں۔ کیونکہ وہ بہت جلد دوسری محبت تلاش کر لیتے ہیں۔

بت ہی پتھر کے کیوں نہ ہوں اے داغ
اچھی صورت کو دیکھتا ہوں میں

ترنم اور موسیقیت:

داغ کی غزلوں کی پسندیدگی میں اس کے ترنم اور موسیقیت کو اہمیت حاصل ہے۔ غزلوں کے ردیف اور قافیے کی تلاش میں ان کو کمال کا عبور حاصل ہے۔ اُن کی بحریں اور زمینیں نہایت باغ و بہار ہیں اُن کے ہاں الفاظ کا استعمال نہایت برمحل اور برجستہ ہے۔

داغ غیر ضروری الفاظ سے پرہیز کرتے ہیں بیان کی شوخی، بے تکلفی، طنز، جذبے کی فراوانی اور تجربہ و مشاہدہ کی کثرت سے ان کی غزلیں بھرپور ہیں۔ مثلاً

ابھی ہماری محبت کسی کو کیا معلوم
کسی کے دل کی حقیقت کسی کو کیا معلوم

داغ کے مصرعے ضرب الامثال:

داغ کے مصرعے جو محاورات بن کر اشعار کے قالب میں ڈھل کر ضرب الامثال بن گئے اور زبان زد خاص و عام ہو گئے ہیں۔

☆ ہر روز کی جھک جھک سے مرا ناک میں دم ہے
☆ تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی
☆ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں
☆ جہاں بجتے ہیں نقارے وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
☆ حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
☆ آپکے سر کی قسم داغ کو پروا بھی نہیں
☆ بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
☆ ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

ناقدین کی آراء:

"ان کی زبان کے ساتھ خدمت کی ضرورت قدر کرنی چاہیے کہ انہوں نے سخت اور معلق الفاظ ترک کیے۔ اور آسان الفاظ استعمال کیے۔ جس سے کلام میں بے ساختگی اور فصاحت مزید بڑھ گئی ہے۔" (بابو سکینہ)

"اردو شاعری میں داغ کے برابر کا فقرہ باز آج تک پیدا کیا ہے، اور نہ آئندہ پیدا کر سکے گی۔" (راق گورکھپوری)

JOIN FOR MORE!!!

حسرت موہانی

ہے زبانِ لکھنو میں رنگِ دہلی کی نمود
تجھ سے حسرت نام روشن شاعری ہو گیا

تعارف:

نام سید فضل الحسن، تخلص حسرت، قصبہ موہان اناؤ (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید اظہر حسین ہے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ اردو گلستانِ سخن کے تن مردہ میں روح پھونکنے والا یہ شاعر محتاجِ تعارف نہیں۔ شاعری کو فرسودہ مضامین سے نکال کر عروس و بہار کی طرح سجا دینا آپ کی زندگی کا وہ کارنامہ ہے جس کا احسان اردو شعر و سخن آج تک نہ اتار سکا۔ آپ نے دم توڑتی روایات و رسومات کو ایک نئی زبان دی، کچھ اس طرح کہ آپ ایک نئے دبستان کے بانی بن گئے۔ آپ نے شاعری کو صالح خصوصیات سے متعارف کرایا اور احیائے غزل کو حیات جاوداں بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اہلِ نظر رئیس المتغزلین اور غزل کے مسیحا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

محاسنِ کلام:

مولانا حسرت موہانی اپنے افکار و محسوسات کو حروف کی مالا میں پروتے گئے جس کی بدولت ان کا کلام مجموعہ ہائے خصوصیات بن گیا۔ آپ کے چند محاسنِ کلام درج ذیل ہیں:

(۱) پروقار کیفیاتِ محبت:

حسرت موہانی کا فلسفہ عشق باوقار اور مہذب تھا جس میں وضع داری، رکھ رکھاو اور تہذیب و اخلاق کے دائرے مقرر تھے۔ وہ محبوب کے وقار اور عاشق کے احترام کو ہر قیمت پر ملحوظ رکھتے تھے۔ عکسِ کلام پیش ہے

دیارِ شوق میں ماتم بپا ہے مرگِ حسرت کا
وہ وضعِ پارسا اس کی، وہ عشقِ پاکباز اسکا
دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھنا
شیوۂ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا

(۲) روایت شکنی:

حسرت نے نئی اور مہذب روایات کی بنیاد ڈالی جو آج تک اردو شاعری کا وقار بلند کر رہی ہے۔ مطالعہ کلام کے بعد قاری کے ظاہر و باطن میں ایک نیا شعور و گوشہ فکر جاگتا ہے۔ مثال کے طور پر:

قوتِ عشق بھی کیا شے ہے کہ ہو کر مایوس
جب کبھی گرنے لگا ہوں تو سنبھالا ہے مجھے
دلوں کو فکرِ دو عالم سے آزاد کر دیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

(۳) معاملہ بندی:

حسرت تجرباتِ و واقعاتِ محبت ایسے رکھ رکھاؤ اور جذبہ دل کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ پردہ؟ ذہن پر رعنائی اور رنگ آمیزی سے پرتصاویر بنتی ہیں۔ آپ نے انسانی محبت کی حقیقی ترجمانی کی ہے۔ عکسِ کلام پیش ہے۔

کھینچ لینا وہ مرا پردے کا کونہ دفعتاً
اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے
اپنے آپے میں نہیں شوق کے مارے گیسو
پھیلے جاتے ہیں رخِ یار پہ سارے گیسو

(۴) سہلِ ممتنع:

آپ کی شاعری میں لہجہ دھیما اور شائستہ ہوتا ہے اور زبان شستہ اور آسان۔ سیدھے سادے خیالات پر مبنی فقرے، نرالی ترکیبیں اور طرز بیان ایسے وجد آور ہیں کہ اشعار سیدھے دل میں اتر جاتے ہیں۔ عکسِ کلام درج ذیل ہے۔

ملتے ہیں اس ادا سے گویا خفا نہیں
کیا آپ کی نگاہ میں ہم آشنا نہیں
بغیر ان کے دم بھر چین نہیں دل کو
کبھی ان سے گویا جدائی نہ ہوگی

(۵) حقیقت کی ترجمانی:

حسرت حسن کو سراہتے ہوں یا عشق کو نباہتے ہوں۔ ہر لحہ حقیقت بیان کرتے ہیں اور تصنع، بناوٹ یا تکلف کا سہارا نہیں لیتے۔ ان کا بیان کردہ عشق اسی جہت کا عشق ہوتا ہے جس کا تجربہ عام زندگی میں ہوسکتا ہے۔ نمونہ کلام پیش نظر ہے۔

آئینے میں وہ دیکھ رہے تھے بہارِ حسن
آیا مرا خیال تو شرما کہ رہ گئے
اک برق تپاں ہے کہ تکلم ہے تمہارا
اک سحر ہے لرزاں کہ تبسم ہے تمہارا

(۶) ہمہ گیری و عارفیت:

حسرت ایک دیندار آدمی تھے جنہوں نے تصوف و عارفیت کو حقیقی مفہوم میں سمجھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا بڑا حصہ صوفیانہ و عارفانہ خیالات پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر۔

ہم کیا کریں نہ تیری اگر آرزو کریں
دنیا میں اور کوئی بھی تیرے سوا ہے کیا
روح کو محو جمال رخِ جاناں کرلیں
ہم اگر چاہیں تو زنداں کو گلستاں کرلیں

(۷) رنگِ سیاست:

عملی طور پر سیاست میں شامل ہونے کی بنا پر ان کے کلام میں جا بجا یہ رنگ بھی نظر آتا ہے۔ شعر و سخن کی نرم زبان میں انھوں نے حق گوئی، استقامت، جرات و بے باکی کا سبق دے کر غزل گوئی کے اس پہلو میں بھی جدت پیدا کردی۔ مثال کے طور پر

ہے مشقِ سخن جاری، چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

(۸) رنگِ تغزل:

حسرت کے کلام کی نمایاں خصوصیت اس کا تغزل ہے۔ ان کی غزل کو پڑھ کر تازگی کا احساس ہوتا ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کے گہرے مطالعے سے کلاسیکی روایت کو بھی برقرار رکھا ہے۔

آپ بیٹھیں تو سہی آکر میرے پاس کبھی
کہ میں فرصت میں حدیث دل دیوانہ کہو

(۹) محبوب کا احترام:

حسرت نے محبت کے پاکیزہ اور نازک جذبات کی ترجمانی کی ہے مگر باوقار پیرائے میں حسرت محبوب کا خاصا احترام کرتے ہیں۔ مثلاً:

دیکھنا بھی تو انھیں دور سے دیکھا کرنا
شیوہ؟ عشق نہیں حسن کو رسوا کرنا
یہ بھی آدابِ محبت نے گوارا نہ کیا
ان کی تصویر بھی آنکھوں سے لگائی نہ گئی

JOIN FOR MORE!!!

(۱۰) گرم جوشی:

حسرت، خواجہ آتش کی طرح گرم جذباتی طبیعت رکھتے ہیں۔ان کے کلام میں حسن کی رعنائی اور عشق کی گرمی کے ساتھ جنس کی مہک بھی ہے۔وہ جسم یار کی خوبی اور لباس کی خوشبو کا بے تکلف ذکر کرتے ہیں۔

مجھے گرم نظارہ دیکھا تو ہنس کر
وہ بولے کہ اس کی اجازت نہیں ہے
کھینچ لینا وہ مرا پردہ کا کونہ دفعتاً
اور دوپٹے سے ترا وہ منہ چھپانا یاد ہے

ناقدین کی آراء:

☆ ....ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

''حسرت محبت کے خوشگوار ماحول کے بہترین، مقبول ترین اور مہذب ترین مصور اور ترجمان ہیں۔''

JOIN FOR MORE!!!

☆ ....ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں:

''کلام ایسا صاف اور سادہ ہے کہ سوائے میر کے اور کہیں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔''

☆ ....رشید احمد صدیقی کہتے ہیں:

''حسرت غزل کے اس معیار پر گئے کہ مستقبل میں غزل کا معیار ہمیشہ حسرت ہی رہے گا۔''

☆ ....پروفیسر آل احمد سرور کہتے ہیں:

''اردو غزل کی نئی نسل کی ابتداء حسرت سے ہوئی۔''

☆ ....ڈاکٹر یوسف حسین خان کے بقول:

''جس طرح میر کا عشق فقیرانہ، غالب کا عشق امیرانہ تھا اسی طرح حسرت کا عشق شریفانہ ہے''۔

☆ ....فراق گورکھ پوری کہتے ہیں

''حسرت کا کلام ایک مربوط، مسلسل اور زندہ غزل کی تاریخ ہے۔''

احمد فراز

تعارف:

احمد فراز کا اصل نام سید احمد شاہ تھا، وہ 12 جنوری 1931ء میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا فن وراثت میں والد سے ملا۔ اُن کے والد سید محمد شاہ برق کو فارسی کے ممتاز شعراء میں شمار کیا جاتا ہے۔ احمد فراز نے اردو، فارسی اور انگریزی ادب میں ایم اے کیا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے ادبی ذوق کی آبیاری کس طرح ہو رہی تھی۔ ایک طرف تو وہ اپنی مادری زبان پشتو کے ادب سے واقفیت حاصل کر رہے تھے، دوسری طرف اُنہیں اردو شعر و ادب سے شناسائی ہوئی، فارسی اور انگریزی نے اُن کے ذوق میں چمک بڑھا دی، یوں یہ چار زبانوں سے آراستہ ہو کر اپنی منفرد شعری سمت تلاش کرنے میں محو ہو چلے۔ احمد فراز نے "آدم جی ادبی ایوارڈ" اور "اباسین ایوارڈ"" حاصل کیا۔ ان کی وفات 25 اگست، 2008ء میں ہوئی۔

تصانیف:

احمد فراز کے 14 مجموعہ ہائے کلام میں

☆ تنہا تنہا ☆ دردِ آشوب ☆ شب خون ☆ میرے خواب ریزہ ریزہ
☆ بے آواز گلی کوچوں میں ☆ نابینا شہر میں آئینہ ☆ خوابِ گل پریشاں ہے ☆ غزل بہانہ کروں
☆ جاناں جاناں ☆ اور اے عشق جنوں پیشہ

شامل ہیں۔ اُن کے کلام کی کلیات بھی شہرِ سخن آراستہ ہے۔

رومانوی لب ولہجہ

فیض احمد فیض کے بعد اپنے منفرد رومانوی لہجے سے محبت و شہرت کے آسمان چھونے والے دوسرے انقلابی، مزاحمتی اور رومانوی شاعر احمد فراز تھے، جو نوجوان شاعروں کے آئیڈیل بن کر ابھرے۔ گریجویشن کے دوران رومانوی طالب علم بن کر ابھرے۔ پہلا رومانوی شعری مجموعہ "تنہا تنہا" منظر عام پر آتے ہی نوجوان دلوں کی دھڑکن بن گئے۔

سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں

شاعرانہ ورثہ اور حرفِ محبت

مکمل شعری میراث "شہرِ سخن آراستہ ہے" کے دیباچے 'حرفِ محبت' میں لکھتے ہیں، "مجھے اپنے بارے میں یا اپنی شاعری کے بارے میں نہ کوئی زعم ہے، نہ دعویٰ ہے۔ ایک بات ضرور ہے، میرے پڑھنے والوں نے مجھے ہمیشہ محبت دی۔ میں جب موجودہ کلیات کی ضخامت دیکھتا ہوں، تو مجھے خود حیرت ہوتی ہے کہ یہ سب کچھ میں نے کیسے لکھ لیا۔ اچھی بُری کی بحث تو الگ ہے۔ ہوسکتا ہے ان میں کچھ تخلیقات وقت کے موسموں کے اثرات سے مرجھا گئی ہوں، مگر مجموعی طور پر کئی مضامینِ دل و دنیا اب بھی تازہ تر لگتے ہیں"۔

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

رومان کی علامت مزاحمت کا استعارہ

احمد فراز آسمانِ شاعری میں رومان کی علامت اور مزاحمت کا استعارہ بن کر ابھرے، ان کی شعری روایت اور تاثیر بے مثال تھی۔ فیض احمد فیض کے بعد جس شاعر کی غزلوں کو سب سے زیادہ گایا گیا، وہ احمد فراز تھے۔ فراز کی لکھی کئی غزلوں کو شہنشاہِ غزل مہدی حسن نے اپنی آواز سے وہ دوام بخشا کہ وہ آج تک لوگوں میں مقبول ہیں۔

کس کس کو بتائیں گے جدائی کا سبب ہم
تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لیے آ

احمد فراز کی شاعری میں محبوب کا تصور

احمد فراز کی شاعری کا خمیر عشقِ مجازی سے اٹھا ہے، جو فراز کے یہاں ایک قوت کے طور پر نظر آتا ہے۔ عشق کے اِسی جذبے سے فراز نے ایک ایسا خواب بُنا ہے، جو انسانی زندگی کے حق میں بہتری کا سامان فراہم کرتا ہے۔ فراز کے یہاں عشق اُس جذبے کا نام ہے، جس کی بدولت دنیا کی کسی بھی جنگ کو جیتا جا سکتا ہے۔

مَیں اُس کو دیکھتا رہتا تھا حیرتوں سے فراز
یہ زندگی سے تعارف کی ابتدا تھی مری

ترجمانی عشق مجازی:

عشق کے تعلق سے فراز کا خیال ہے کہ عشقِ مجازی کے جذبے کی شدت ہی سے دیگر اُمورِ حیات کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ اس لیے جو شخص عشق نہیں کر سکتا، وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے وہ عشق میں خود کو لٹا دینے کے درس کو عام کرنے میں یقین رکھتے ہیں ۔

لُٹ چکے عشق میں اک بار تو پھر عشق کرو
کس کو معلوم کہ تقدیر سنور بھی جائے

انسانی نفسیات:

فراز کو انسانی نفسیات کے بارے میں معلوم تھا کہ دشمنی کی آگ میں دونوں جلتے ہیں نہ کہ صرف دشمن، ایسی آگ میں جلنے سے بہتر ہے۔ پیار و محبت کے پھول دلوں میں کھلائے جائیں۔ کیونکہ یہ زندگی محبت کرنے کے لیے ہی بہت کم ہے۔ تو اس میں نفرت کی گنجائش کہاں سے نکالی جائے۔

آ گلے تجھ کو لگا لوں میرے پیارے دشمن
اک میری بات نہیں تجھ پہ بھی کیا کیا گزری

مزاحمت کا استعارہ:

احمد فراز ایسے شاعر تھے، جن کے ہاں رومان کی علامتوں سے لے کر، مزاحمت کے استعاروں تک، ہجر کے مراحل سے وطن پرستی کی فکری اساس تک، معنویت کے کئی در وا ہوتے تھے، اُنہیں حروف اور موضوعات کی کوئی قلت نہ تھی، وہ اپنی شعری روایت اور تاثیر میں اپنی مثال آپ تھے۔

سفرِ شوق ہو یا منزلِ غم
کوئی ہنگامہ اُٹھا کر گزرو
ایک پل ٹھہرو بگولوں کی طرح
اور پھر خاک اُڑا کر گزرو

حسن بیان:

اُن کی شاعری صرف تخلیق کا سرچشمہ ہی نہیں، زندگی کا وہ بیان بھی ہے، جس کے رنگ گہرے، دلکش اور بھرپور ہیں، جن کو کسی چہرے کی مسکان میں دیکھا جا سکتا ہے یا کسی حسینہ کے ملبوس میں اور کہیں، اُن کے حروف میں دُکھ کا دھواں بھی اُٹھتا ہے، جس میں دل راکھ ہو جاتا ہے۔ اُنہوں نے کمال مہارت سے اپنی ذات کے دونوں گوشوں کو متوازن رکھتے ہوئے زندگی گزاری۔ وہ صرف نام کے ہی فراز نہیں تھے، بلکہ آزمائشوں کے کئی نشیب طے کر کے سرفراز ہوئے، درج ذیل نظم پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہم سے اب بھی مخاطب ہیں کہ۔۔۔

خواب مرتے نہیں
خواب دل ہیں نہ آنکھیں نہ سانسیں کہ جو
ریزہ ریزہ ہوئے تو بکھر جائیں گے

ناقدین کی آراء:

"فیض کی بعد فراز کا نام اس حیثیت سے نمایاں ترین کہا جا سکتا ہے کہ ان کی بصیرتوں کا پس منظر ان کی ادبی روایات ان تک سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی کلاسیکی قدروں کے ساتھ ساتھ ان کے زمانے کی اجتماعی زندگی اور ان کی تاریخ کو بھی ساتھ ساتھ مرتب کیا ہے۔" (شمیم حنفی)

JOIN FOR MORE!!!

ڈرامہ نگار
منشی پریم چند

تعارف:

منشی پریم چند جس کا اصل نام دھنپت رائے سریوستوا تھا 31 جولائی 1880ء میں بنارس کے قریب گاؤں لاہمانی، جہاں ان کا والد پوسٹ آفس میں ایک کلرک تھے، پیدا ہوئے۔ پریم چند کے والدین نوجوان عمر میں ہی مر گئے۔ ان کی ماں جب وہ چودہ برس کا تھے وفات پا گئی اور ان کے والد نے دوسری شادی کر لی۔ پریم چند کی عمر پندرہ برس کی ہوئی تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ زندگی کے ابتدائی دور میں پریم چند نے بہت زیادہ غربت کا سامنا کیا۔ ان کا انتقال 8 اکتوبر 1936 کو 56 سال کی عمر میں ہوا۔

تصانیف:

☆ سوزِ وطن ☆ پریم پچیسی ☆ پریم پچیسی ☆ پریم بتیسی ☆ خاکِ پروانہ
☆ خواب و خیال ☆ فردوسِ خیال، ☆ پریم چالیسی، ☆ آخر تحفہ اور زادِ راہ

اردو کا پہلا افسانہ نگار:

یہ محض ایک اتفاق ہے کہ اردو افسانے کو ابتدائی دور میں ہی دو ایسے افسانہ نگار مل گئے جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف مزاج رکھتے تھے۔ پریم چند ایک رجحان کی ترویج کر رہے تھے اور سجاد حیدر دوسرے نظریے کے علمبردار تھے۔ لیکن پریم چند کی مقصدیت سجاد حیدر یلدرم کی رومانیت پر بازی لے گئی۔ مقصدیت اور اصلاح کے پہلو نے پریم چند کے فن کو بہت زیادہ چمکایا۔

اردو کا پہلا اہم اور بڑا افسانہ نگار پریم چند ہے۔ اردو ادب میں یہ ایک ایسا نام ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان کے دوسرے افسانہ نگاروں کی طرح آپ نے پیار، محبت، عشق، ہیرو، ہیروئن جیسے سطحی موضوعات کو اپنے اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ حقیقت پسندی کی طرف اپنے ذہن و قلم کا رُخ جمایا۔ آپ کے قلم سے ہندوستان کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ آپ کی افسانہ نگاری کو چار ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پریم چند کی افسانہ نگاری میں تدریجاً ارتقاء:

پریم چند کی افسانہ نگاری میں بتدریج ارتقا نظر آتا ہے۔ ان کے پہلے افسانوی مجموعے "سوز وطن" سے لے کر آخری دور کے مجموعوں "واردات" اور "زادِ راہ" کے افسانوں میں بڑا واضح فرق محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے ہم ان کی افسانہ نگاری کو مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہیں پہلا دور 1909ء سے لے کر 1920ء کے عرصہ پر محیط ہے۔ دوسرا دور 1920ء سے 1932ء تک اور تیسرا دور جو نسبتاً مختصر دور ہے 1932ء سے 1936ء تک ان کی زندگی کے آخری چار سال کا احاطہ کرتا ہے۔ پہلے دور کے افسانوں میں رومانی تصورات نمایاں ہیں۔ دوسرے دور میں معاشرتی برائیوں کی اصلاح کی طرف توجہ دی ہے اسی طرح سیاسی موضوعات بھی اس دور کی اہم خصوصیت ہے۔ اپنے مختصر اور آخری دور میں پریم چند کے ہاں فنی عظمت اور موضوعات کا تنوع نظر آتا ہے۔

اصلاح معاشرہ:

ان تاریخی اور نیم تاریخی افسانوں کے بعد اپنے دوسرے دور میں پریم چند نے قومی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دی، انہوں نے ہندو معاشرے کی قبیح رسوم پر قلم اٹھایا اور بیوہ عورت کے مسائل، بے جوڑ شادی، جہیز کی لعنت اور چھوت چھات جیسے موضوعات پر افسانے لکھے۔ اس دور میں وہ ایک مصلح کی حیثیت سے اپنے معاشرے کو احترام انسانیت اور مشرقی و مغربی تہذیب کے فرق اور اخلاق اقدار کی جانب متوجہ کرتے ہیں۔

سیاسی موضوعات:

افسانہ نگاری کے دوسرے دور میں پریم چند سیاست کے بکھیڑوں میں الجھ گئے تھے۔ یہ دور برصغیر میں تحریکوں کا دور تھا۔ تحریک خلافت، تحریک عدم تعاون، تحریک ستیہ گرہ، سول نافرمانی وغیرہ۔ برصغیر کے تمام باشندے ملک آزاد کرانے کا مطالبہ کر رہے تھے پریم چند نے سیاسی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے قلم کے ذریعہ اس مہم میں شرکت کی ٹھانی اور سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

JOIN FOR MORE!!!

دیہاتی زندگی:

افسانہ نگاری کے دوسرے دور میں پریم چند نے دیہی زندگی کی طرف بھی توجہ دی کیونکہ پریم چند کا تعلق دیہات سے تھا اس لیے انہوں نے دیہاتی زندگی کے مسائل کو اپنے بیشتر افسانوں کا موضوع بنایا۔ وہ دیہاتیوں کے مسائل سے بخوبی آگاہ تھے اس لیے کسانوں اور مزدوروں کے دکھوں کو اپنے فوک قلم سے معاشرے میں اجاگر کرتے ہیں۔ ''پوس کی رات''، ''سوا سیر گیہوں'' اور ان کے دیگر افسانے کسانوں کی غربت و افلاس کی عکاسی کرتے ہیں۔ پریم چند نے غریب کسان اور کاشتکار کے رہن سہن، اس کے افلاس اور دکھوں کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔

فنی عظمت:

پریم چند کے افسانوں کا آخری دور مختصر عرصے پر محیط ہے لیکن یہی دور ان کی نظریات کی پختگی اور ترویج کا دور بھی ہے اس دور کے افسانوں کے موضوعات بھی سیاسی زندگی سے متعلق ہیں لیکن فن اور معیار کے اعتبار سے پچھلے دونوں ادوار کے مقابلے میں بہت بلند ہیں۔ ''سوز وطن'' کے افسانوں ک بعد پریم چند کے قلم سے جو اکبر، بوڑھی کاکی، دو بیل، نئی بیوی اور زادِ راہ جیسے افسانے تخلیق ہوئے اور پھر ان کا فن بتدریج ارتقائی منازل طے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ''کفن'' جیسا افسانہ لکھ کر انہوں نے دنیائے ادب میں اپنی فنی صلاحیتوں کا لوہا منوالیا۔

JOIN FOR MORE!!!

بہترین اسلوب:

آخری دور کے افسانوں میں پریم چند ایک عظیم افسانہ نگار دکھائی دیتے ہیں اس دور کے افسانے مقامی ہونے کے باوجود آفاقی کہلانے کے مستحق قرار دیے جاسکتے ہیں کیونکہ اب ان کے افسانوں میں وہ تمام خوبیاں پیدا ہوگئی تھیں جو اچھے اور معیاری افسانوں کا خاصہ سمجھی جاتی ہیں۔ ان کی زبان بھی صاف ہوگئی تھی اور اندازِ بیان میں بھی دلکشی آگئی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے خوبصورت جملے استعمال کرنے لگے تھے۔ سادگی و پرکاری، متانت و سنجیدگی ان کی تحریر کے جوہر تھے۔ منظر کشی میں بھی انہیں کمال حاصل ہوگیا۔

تنوع:

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو پریم چند نے اپنے افسانوں میں زندگی کے ہر دو پہلوؤں المیہ و طربیہ کو سمو دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں ہر طبقے کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ وہ روہیلوں، بندیلوں اور راجپوتوں کی جنگ جو یانہ صفات اور جرات مندانہ اقدار کا ذکر بھی کرتے ہیں اور ہندو مہاجنوں، ساہوکاروں، سیٹھوں اور زمینداروں کے ظلم و تشدد اور گھناؤنے کرداروں کو بھی بے نقاب کرتے ہیں اور غریب کسانوں، مفلس کاشتکاروں اور نیچی ذات کے چماروں کی بے بسی اور بے کسی کی المناک داستانیں رقم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں رانی سارندھا جیسی جاں باز اور آن پر مٹنے والی رانیاں بھی ہیں اور کام چور و کاہل گھیسو اور مادھو جیسے المیہ کردار بھی ملتے ہیں۔

نفسیات:

انسان ایک ہی قسم کے واقعات سے کس طرح متاثر ہوتا ہے؟ اس کے تعجب، حیرت، رنج، خوشی، غصہ، نفرت، حسد، بغض، رشک، رقابت اور اس قسم کے فطری جذبات کا اظہار کس طرح ہوتا ہے؟ یہ چیزیں سب انسانوں کے لیے یکساں ہیں اور اس لیے افسانوی بلندی حاصل کرنے کے لیے افسانہ نگار نفسیات سے زیادہ سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ پریم چند کے افسانے نفسیاتی مطالعہ اور مشاہدہ پر ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے:

''ایک یتیم بچہ ماں کا تذکرہ سن کر رونے لگتا ہے۔ اسی طرح اور چھا کی کی یاد سے چپت رائے کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔

اس حیثیت سے پریم چند کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اردو افسانوں میں حقیقت شعاری کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں جن میں ہر جگہ عالمگیر حقائق، عام فطرت انسانی کی نفسیات اور بلندی خیال کو مدنظر رکھا ہے۔

حقیقت اور مقصدیت:

اسی طرح مجموعی حوالے سے پریم چند کے ہاں جذبات نگاری بھی، تنقیدِ حیات ہے اور ترغیب و اصلاح بھی۔ اور یہی وہ معاشرتی اور سیاسی شعور تھا جس نے پریم چند

کو حقیقت پسند افسانہ نگار بنایا اور پھر ان کے افسانے اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی تقاضوں کی ترجمانی کرنے لگے۔ ان کے افسانوں میں ملک وقوم کے لیے ایثار و محبت کے جذبے بیدار ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ پریم چند نے ایک ماہر نفسیات کی طرح محکوم قومیتوں کو عزم و ہمت کے گر سکھائے ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں کے ذریعہ انسان دوستی اور وطن دوستی کی بہترین مثالیں پیش کی ہیں۔ انہوں نے تخلیقی جبلت کو محض افسانہ نگاری کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ اس میں مقصدیت کی روح کو سمو کر ایک مصلح قوم کا کردار بھی ادا کیا ہے۔

مجموعی جائزہ:

اس حقیقت سے واقعی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معیار و مقدار کے اعتبار سے پریم چند نے اردو ادب میں افسانے کی روایت کو مستحکم کیا اور انہوں نے ہی اردو افسانے کو ارتقائی منازل تک پہنچایا۔ مختصر اردو افسانے کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

ناقدین کی آراء:

بقول مولوی عبدالحق:

ہندوستانی ادب میں پریم چند کے بڑے احسانات ہیں انہوں نے ادب کو زندگی کا ترجمان بنایا۔ زندگی کو شہر کے تنگ گلی کوچوں میں نہیں بلکہ دیہات کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں جا کر دیکھا۔ انہوں نے بے زبانوں کو زبان دی۔ ان کی بولی میں بولنے کی کوشش کی۔ پریم چند ہمارے ادب کے سرتاجوں میں سے تھے۔ وقتی مسائل کی اہمیت کو انہوں نے اس شدت سے محسوس کیا کہ فن کے معیار کو اس پر قربان کر دیا۔ افسانہ نگاری میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو شاعری میں مولانا حالی کا۔"

بقول کرشن چندر

پریم چند نے کھیتوں میں کسانوں کی کاوش کے بیج بوئے ہیں؟ تم اگر چاہو تو اس میں انقلاب کی فصل کاٹ سکتے ہو۔

بقول آغا حشر کاشمیری

پریم چند کا ہر افسانہ اسٹیج معلوم ہوتا ہے اس کا ہر کردار منہ سے بول اٹھتا ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

امتیاز علی تاج

امتیاز علی تاج کو ادبی ذوق ورثے میں ملا تھا۔ ان کے ادبی ماحول میں علامہ اقبال، حکیم احمد شجاع، صلاح الدین اور پطرس بخاری جیسی ہستیاں میسر آئیں۔ ان کے والد لاہور کے مشہور مطبع ادارے دارالاشاعت پنجاب کے بانی تھے۔ امتیاز علی تاج افسانہ نگار اور مزاح نویس بھی تھے انہوں نے اداکاری بھی کی ہے اور ہدایت کاری بھی۔ انہوں نے پاکستان میں آرٹ کونسل قائم کی اور ریڈیو کی نشریات کو منظم کیا۔ امتیاز علی تاج کی شہرت کا سبب ان کا مشہور ڈرامہ ''انارکلی'' ہے۔ اس کے علاوہ امتیاز علی تاج کا ایک مشہور مزاحیہ کردار چچا چھکن بھی مشہور ہوا۔ ان کے بعض افسانے بھی مشہور ہوئے جن میں قرطبہ کا قاضی، محاصرہ غرناطہ اور ہیبت ناک افسانے ان کے یادگار افسانے ہیں۔

تحریر کی خصوصیات:

امتیاز علی تاج کی چیدہ چیدہ تحریری خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) صاف اور سادہ زبان:

امتیاز علی تاج کے افسانوں اور ڈراموں کی زبان صاف اور سادہ ہوتی ہے۔ انہوں نے سوقیانہ اور بازاری زبان اختیار کرنے سے گریز کیا نیز اگر کہیں کوئی محاورہ بھی استعمال کیا ہے تو وہ بھی عام فہم اور واضح۔ اسی وجہ سے ان کے ڈرامے اور افسانے ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

(۲) پلاٹ کی جدت:

امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں جدت پائی جاتی ہے خاص طور پر ان کے ڈراموں کے پلاٹ بہت منظم ہوتے ہیں۔ ڈرامے کے پہلے ہی منظر میں عموماً تمام کرداروں کا تعارف کرا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کہانی آگے بڑھتی ہے اور پلاٹ واضح ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اکثر ناقدین امتیاز علی تاج کے ڈراموں کی ترتیب خصوصاً پلاٹ کو سراہتے ہیں۔

(۳) شوخی اور ظرافت:

امتیاز علی تاج اپنے ڈراموں میں مزاح پیدا کرنے کے لیے محض کردار ہی کا سہارا نہیں لیتے بلکہ واقعات اور ماحول سے بھی کام لیتے ہیں۔ جیسے کہ اپنے مشہور ڈرامے ''آرام و سکون'' میں ماحول، حالات اور کردار سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان کے مزاحیہ کرداروں میں چچا چھکن کا کردار ان کی اپنی اختراع تھی۔

(۴) برمحل برجستہ مکالمہ:

امتیاز علی تاج کے افسانوں اور ڈراموں کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے مکالمے بڑے دلچسپ اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ وہ ماحول اور موقعے کی مناسبت سے برجستہ مکالمے تخلیق کرتے ہیں۔ ان کے ڈرامے اور افسانے پسند کیے جانے کی ایک اہم وجہ ان کی یہی برجستگی اور برمحل مکالمہ نگاری ہے۔

(۵) حقیقت کا رنگ:

امتیاز علی تاج اپنے ڈراموں میں ایسی کہانیاں پیش کرتے ہیں جس میں حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔ زندگی جیتی جاگتی تصویر نظر آتی ہے۔ جیسا کہ ان کا مشہور ڈرامہ ''آرام و سکون'' حقیقت سے قریب نظر آتا ہے۔ اگرچہ امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں حقیقت کا رنگ نظر آتا ہے لیکن کہیں کہیں وہ اس بات کی نفی بھی کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے ڈرامے انارکلی میں حقیقت نگاری کی نفی کی ہے۔

JOIN FOR MORE...

(۶) دلچسپی:

امتیاز علی تاج کے ڈراموں کی ایک اہم خصوصیت ان کے ڈرامے میں پائی جانے والی دلچسپی ہے۔ ڈرامے کی ابتدا سے آخر تک دلچسپی برقرار رہتی ہے اور کسی بھی موقع پر سامعین، اور ناظرین یا قارئین بوریت محسوس نہیں کرتے۔

(۷) جاندار کردار:

امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں کردار بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان کے کردار جاندار اور شوخ بھی ہوتے ہیں جیسے کہ ڈرامہ "آرام وسکون" میں بیوی کا کردار بہت جاندار ہے۔ یا ان کا تخلیق کردہ کردار چچا چھکن بھی جان دار اور دل چسپ ہے۔

(۸) فکر وخیال کی وسعت:

امتیاز علی تاج کا مشاہدہ بہت گہرہ اور تیز تھا وہ اپنے موضوع کی معمولی جزئیات کا بھی احاطہ کرتے ہوئے اپنا مقصد حاصل کر لیتے تھے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں کہ امتیاز علی تاج معمولی سے جزیات کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ انکا ڈرامہ انارکلی پڑھ کر پڑھنے والے کا دل پکار اٹھتا ہے کہ سچ یہ ہے کہ تاریخ ہی ادب کا رومان ہے۔

JOIN FOR MORE!!!

(۹) ماحول کی عکاسی:

امتیاز علی تاج کو ماحول اور منظر کی عکاسی پر پورا عبور حاصل تھا۔ وہ واقعات کا ایسا نقشہ تیار کرتے تھے جس سے جزئیات تک بچنے نہیں پاتی تھیں۔ انہوں نے اپنے ڈرامہ انارکلی میں مغلیہ شان وشوکت اور جاہ وجلال کو اتنے موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ مغلیہ دور کے ماحول کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

(۱۰) جذبات کی عکاسی:

ان کے افسانوں اور ڈراموں کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہیں جذبات کی عکاسی پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے مردانہ، زنانہ بچگانہ جذبات اور احساس کی عکاسی شاندار انداز میں کی ہے ان کا ڈرامہ انارکلی جذبات کی عکاسی کا شاہکار ہے۔

(۱۱) مغربی اور مشرقی روایات کا امتزاج:

امتیاز انگریزی ادب سے واقف تھے اسی نسبت سے انہوں نے مغربی تکنیک کو اپنایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مشرقی روایت کو بھی پامال ہونے نہیں دیا ان کا مشہور مزاحیہ کردار چچا چھکن دراصل انگریزی کردار "انکل پوجز" کا تجربہ ہے لیکن اس کی رفتار وگفتار، حرکات وسکنات مشرقی ہیں بلکہ اپنی اختراع کی ہوئی ہیں۔

(۱۲) مقصدیت:

امتیاز علی تاج کے ڈراموں میں صرف طنز ومزاح ہی نہیں بلکہ کسی حد تک مقصدیت بھی ملتی ہے وہ معاشرے کے ناپسندیدہ کرداروں کو اپنے ڈراموں اور افسانوں میں بے نقاب کرتے ہیں اس طرح ان کے افسانوں اور ڈراموں میں مقصدیت اور اصلاح کا پہلو بھی نظر آتا ہے۔

(۱۳) متانت وسنجیدگی:

امتیاز علی تاج کے ڈراموں اور افسانوں میں صرف طنز ومزاح ہی نہیں بعض جگہ سنجیدہ اور متین کردار بھی نظر آتے ہیں اور یہ کردار ڈرامے یا افسانے کو مزید دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

ناقدین کی آراء:

☆....ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کہتے ہیں:

''ڈراما کی محض عوامی پسند ہونے کی روایت کو امتیاز علی تاج نے بڑی ہمت اور جرات سے توڑا۔''

☆....ڈاکٹر حنیف فوق کہتے ہیں:

''امتیاز علی تاج کی بہت بڑی جیت یہی ہے کہ انھوں نے انسانی جذبات کو ان کے سماج اور ماحول سے منقطع کر کے پیش کیا۔''

☆....ڈاکٹر عبدالسلام کہتے ہیں:

''اردو ڈرامے کو جدید انداز کی طرف لانے کا سہرا تاج کے سر ہے۔''

☆....علامہ اقبال کہتے ہیں:

''انارکلی کی زبان میں روانی اور انداز میں دلفریبی ہے۔''

JOIN
FOR
MORE!!!